امام دارقطنی
ارشاد الحق
ادارۂ علوم اثریہ ○ لائل پور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۴

امام دارقطنی رح

مرتّب

ارشاد الحق

متخصّص

ادارہ علومِ اثریہ

ناشر

ادارہ علومِ اثریہ

منٹگمری بازار - لائل پور

المباحث

(مطبوعہ:- دین محمدی پریس لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے نظم و معانی کی حفاظت کی ہے
اسی طرح وحی کے دوسرے حصہ حدیث کی حفاظت کے بھی سامان بہم
پہنچاتے رہے اور ہر دور میں اس دور کی ضرورت کے مطابق ایسے اشخاص
پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے حدیث کی حفاظت و مدافعت میں معجزانہ
کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ تاریخ تدوین حدیث کے مطالعہ سے یہ احساس
ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے محدثینؒ کو اسی کام کے لئے پیدا کیا تھا
اور انہوں نے بھی وہی کام سرانجام دیئے جس کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے

صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد ائمہ اسلام اور محدثین کا دور شروع ہو جاتا
ہے یہ دور اس اعتبار سے نہایت پر فتن دور ہے کہ اس میں ہر قسم کے
اہل بدعت پیدا ہو گئے تھے اور فتنہ وضع حدیث بھی اپنی پوری قوت کے
ساتھ ظاہر ہو چکا تھا اس دور میں محدثین نے ایک طرف تو جمع و تدوین حدیث
کا کام تندہی سے سرانجام دیا اور دور دراز سفروں کی تکالیف اٹھا کر بلاد
اسلامیہ کے ہر کونے میں پہنچنے کی کوشش کی اور پھر اس جمع شدہ ذخیرہ کی تہذیب و
تنقیح بجائے خود ایک محنت طلب کام تھا چنانچہ محدثینؒ اپنی لگاتار محنتوں سے
اس ذخیرہ کو نہ صرف مرتب کیا بلکہ سند و متن کی صحت اور عدم صحت معلوم
کرنے کے لئے قواعد و اصول بھی ترتیب دیئے۔ تاریخ رجال پر کتابیں لکھیں،

احادیث کے انواع واقسام اور درجات مقرر کئے۔ علوم حدیث کو انواع میں
تقسیم کیا اور ہر نوع کی تحقیق کی ان میں سے بعض انواع کی اہمیت کے پیشِ نظر
ان پر مستقل تالیفات ترتیب دیں علل الحدیث اور جرح وتعدیل کی طرح ڈالی
اخذ وتحمل اور ادا کے الفاظ مقرر کئے الغرض علم حدیث بہر پہلو مکمل کرکے
اس میں فنی کمال پیدا کردیا اور آئندہ کے لئے بحث وتحقیق کے خطوط متعین
کردیئے۔

ائمہ ستہ کے بعد جو محدثین آئے انہوں نے انہی خطوط پر کام کیا لیکن
اس سلسلہ میں بعض ایسے محدث بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے اس فن میں خصوصی
کمال ...... اور دوسروں سے امتیازی حیثیت حاصل کی۔

انہی امتیاز حاصل کرنے والوں میں ایک امام دارقطنی بھی ہیں جو اس
مقالہ کے ہیرو ہیں۔

امام دارقطنی پر اس سے قبل بھی بعض علماء نے اپنے مقالات شائع کئے
مگر افسوس کہ وہ مقالہ نگار اختلاف مسلک کی بنا پر امام موصوف کی علمی شخصیت
کا صحیح طور پر تجزیہ کرنے سے قاصر رہے اور ان کو متشدد وغیرہ بنا کر پیش کرنے
کی کوشش کی گئی بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ انہوں نے امام موصوف پر جو کچھ لکھا گریزپا
ہو کر لکھا اور امام موصوف کے متعلق غلط تاثر دینے کی کوشش کی۔

یہی وہ چیزیں ہیں جو زیر نظر مقالہ کی تدوین کا باعث بنی ہیں اس مقالہ
میں اس تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو سابق مقالات میں پائی گئی ہے
اور امام موصوف پر عائد کردہ الزامات کا مدلل جائزہ لیا گیا ہے خصوصاً السنن

پر تبصرہ، علل الحدیث، جرح و تعدیل میں امام دارقطنی کا مقام، تالیفات وغیرہ
چند عنوانات پر ان کی اہمیت کے پیش نظر جامع بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ
بعض فنون حدیث میں تو امام دارقطنی سابق محدثین سے بھی بازی لے گئے ہیں اور بعض فنون
میں انہیں سابقیت کا مقام حاصل ہے۔

عرصہ سے یہ خیال دامنگیر تھا کہ امام موصوف پر ایک جامع مقالہ ترتیب دیا جائے
مگر ناسازگار حالات اس راہ میں ہمیشہ رکاوٹ بنتے رہے آخر مولوی ارشاد الحق متخصص
ادارہ علوم اثریہ سال دوم نے اس خصوصی کام کا بیڑا اٹھایا اور ادارہ کی رہنمائی کے مطابق آپکی
پیہم محنت نے اس دیرینہ خواہش کو تکمیل کا جامہ پہنا دیا۔ امید ہے کہ یہ مقالہ علمی حلقوں
میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ عزوجل ان کو مزید علم حدیث
کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے آئندہ پروگرام میں پاک وبھارت میں مشاہیر اہل حدیث اور ان کی
ملی وسیاسی خدمات پر کام کرنا بھی داخل ہے یہ تاریخ اہل حدیث کا ایک حصّہ
ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے اور ادارہ کو اپنے
مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلی اللہ
تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین آمین برحمتک یا
ارحم الراحمین فقط

(مولانا) محمد عبدہٗ الفلاح

خادم ادارہ علوم اثریہ
لائل پور

۱۰ رجب المرجب سنہ ۱۳۹۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

اس مختصر مقالہ میں ہم جس ہستی کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ چوتھی صدی ہجری کے نامور تاجدار حدیث حضرت امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہیں مورخ کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ان کے تذکرہ کے بغیر چوتھی صدی کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

نام و نسب

نام علی کنیت ابو الحسن۔ آپ حافظ بغداد کے لقب سے مشہور ہیں[1]۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن بن دینار بن عبداللہ الدار قطنی البغدادی[2]

نسبت میں گو دار قطنی بغدادی کہا جاتا ہے مگر دار قطنی معروف تر ہے۔ دار قطن بغداد کا ایک بڑا محلہ تھا۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں۔

"نسبۃ الی دار قطن وکانت محلۃ کبیرۃ ببغداد"[3]

اور دار قطن کے ضبط میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ بہ فتحہ دال، سکون الف

---

[1] کشف الظنون ص ۱۰۰۷ ج ۲ [2] طبقات الشافعیہ ص ۳۱۰ ج ۲ و تاریخ بغداد

[3] اللباب ص ۴۰۴ ج ۱ الاکمال فی اسماء الرجال

فتحہ را، ضمہ قاف اور سکون طا مہملہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے[۱]

دارقطن محلہ کرخ اور نہر عیسیٰ بن علی کے درمیان واقع تھا[۲] عربی میں قطن روئی کو کہتے ہیں۔ اس محلہ میں روئی کی بہت بڑی منڈی ہوگی اسی وجہ سے یہ محلہ دارقطن کے نام سے مشہور ہوا۔

ولادت

امام دارقطنیؒ عباسی خلیفہ المقتدر باللہ کے عہد میں پانچ ذی القعدہ ۳۰۶ھ ۹۱۸ء یا ۹۱۹ء کو پیدا ہوئے[۳]۔ طاش کبری زادہ سن تولد میں متردد ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

" ولد سنۃ خمس او ست وثلثمائۃ "[۴]

کہ وہ ۳۰۵ھ یا ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے لیکن اکثر تذکرہ نویسوں نے سن تولد ۳۰۶ھ ہی لکھا ہے اور اس کی تائید خود امام موصوف کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

" ولدت سنۃ ست وثلثمائۃ "[۵]

اس بناء پر ۳۰۶ھ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی

طلب علم

امام دارقطنیؒ کے سفر ورحلت کی تفصیل رجال وسیر کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انہوں نے ابتدائی عمر میں ہی علمی جواہرات بڑی تندہی سے جمع کرنا شروع

---

[۱] ایضاً و وفیات الاعیان ص ۳۵۹ ج ۱ [۲] معجم البلدان ص ۵۲۲ ج ۲ و بروکلمن ص ۲۱۰ ج ۳ و وفیات واللباب [۳] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ص ۱۸۳ ج ۷ تذکرہ ص ۱۳۲ ج ۵ و بروکلمن ص ۲۱۰ ج ۳ و لقب تاریخی ص ۲۷ [۴] مفتاح السعادۃ ص ۱۴۲ ج ۳ [۵] کتاب الالزامات و التتبع اس کا قلمی نسخہ

کر دیئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

"کان فی صغرہ موصوفا بالحفظ الباھر والفھم الثاقب والبحر الزاخر" [۱]

ان کے مشائخ کے اوطان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کے حصول کی خاطر مختلف ممالک کے سفر کیے تھے۔ بغداد جو اس وقت تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں عالم اسلام کا بہت بڑا مرکز تھا جس کا ذکر امام حاکمؒ نیشاپوری نے "مدینۃ العلم وموسم العلماء والافاضل" جیسے شاندار الفاظ سے کیا ہے[۲]۔ وہاں سے استفادہ کے بعد امام موصوفؒ نے علوم و فنون کی تکمیل کے لئے مکہ، مدینہ، بصرہ، شام، کوفہ اور مصر وغیرہ بلاد کی طرف سفر کئے۔ کیونکہ یہی وہ ممالک ہیں جہاں سے بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علوم نبوت یعنی تفسیر قرآن اور سنت و شریعت کے سرچشمے پھوٹے اور علماء نے ان سے سیرابی حاصل کی[۳]۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ میں احادیث کی تصدیق کے لئے کوفہ جایا کرتا تھا[۴]۔ علامہ ذہبیؒ نے ان کے مصر اور شام جانے کی بھی صراحت کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "وارتحل فی کھولتہ الی مصر والشام وصنف التصانیف" [۵]

۱؎ البدایہ ص ۳۱۷ ج ۱۱ ۲؎ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۹۴ ۳؎ منہاج السنۃ النبویۃ ص ۱۴۲ ج ۴

۴؎ تاریخ بغداد ص ۳۷ ج ۱۲ ۵؎ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷ ج ۳

یعنی کہولت کی عمر میں انہوں نے مصر و شام کی طرف علمی سفر کیئے اور تصانیف لکھیں" علم حدیث اور خصوصاً "العلل" میں وہ مقام حاصل کیا کہ محدثین کے قول کے مطابق یہ فن ان ہی پر ختم ہوگیا [1]

شیوخ و اساتذہ

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام دار قطنیؒ نے اپنے وطن کے علمی سرچشموں سے سیرابی حاصل کرنے کے بعد مختلف ممالک کا سفر کیا۔ اس اعتبار سے ان کے شیوخ کا احاطہ ناممکن سا ہے۔ تراجم و رجال کی مختلف کتابوں میں جو منتشر نام ملتے ہیں ان سے قطع نظر ہم "السنن" کے ان اساتذہ کا ذکر زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں جن سے امام دار قطنیؒ نے کثرت سے روایات لی ہیں۔

(۱) عبداللہؒ بن محمد بن زیاد ابوبکر النیساپوری

موصوف نیساپور میں پیدا ہوئے حصول علم کی خاطر عراق، شام اور مصر وغیرہ ممالک کی طرف گئے اور آخری عمر میں بغداد کو اپنا مسکن بنایا۔ امام دار قطنیؒ ان کے قوت حافظہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"لم نر مثله فی مشایخنا ولم نر احفظ منه الاسانید والمتون وکان افقه المشائخ جالس المزنی والربیع [2]

خطیب بغدادیؒ نے امام دار قطنیؒ ہی سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حفاظ

---

[1] انساب للسمعانی ورق ۲۱۷ [2] تاریخ بغداد ص ۱۲۱ / ج ۱۰ [3] ایضاً

حدیث کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں حافظ ابوطالبؒ اور ابو بکر الجصابیؒ بھی موجود تھے۔ فقہا میں سے ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "جعلت لی الارض مسجداً" و "جعلت تربتھا لنا طھوراً" کی حدیث کس کس صحابیؓ سے مروی ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ فلاں اور فلاں سے۔ تو سائل نے کہا "جعلت تربتھا لنا طھوراً" کے الفاظ کس نے بیان کئے ہیں تو اس کا جواب جب کسی سے بن نہ پڑا تو کہنے لگے ابو بکر نیشاپوریؒ کے پاس چلو وہی اسے جانتے ہوں گے۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آئے اور اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فوراً وہ روایت بالاسناد بیان کر دی[1] اس واقعہ سے ان کی قوت حافظہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ صرف ۲۳۸ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۲۴ھ/۹۲۵ء میں فوت ہوئے امام دار قطنیؒ نے ان سے سنن میں متعدد روایات لی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سنن کا کوئی صفحہ شاذ و نادر ہی ہوگا جس میں ان کی روایت مذکور نہ ہو تو غلط نہ ہوگا۔ جس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام دار قطنیؒ نے اٹھارہ سال کی عمر میں کس قدر احادیث کا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔

(۲) عبداللہؒ بن محمد بن عبدالعزیز ابن بنت احمد بن منیع ابوالقاسم البغوی

اس دور کے ثقات محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انہیں امام احمدؒ

---

[1] ایضاً

اور علیؒ بن مدینی اپنے کبار مشائخ سے سماع کا شرف حاصل تھا۔ خطیب بغدادیؒ ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

"کان ثقۃ ثبتا مکثرا فہما عارفا"[۱]

امام دارقطنیؒ انہیں ثقۃ۔ جبل۔ امام من الائمہ اور ثبت کہا کرتے اور فرماتے

"کان ابو القاسم ابن منیع قلما یتکلم علی الحدیث فاذا تکلم کان کلامہ کالمسمار فی الساج"[۲]

موصوف ۳۱۷ھ / ۹۲۹ء میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ایک سو تین (۱۰۳) سال تھی۔ امام دارقطنیؒ نے ان سے "سنن" میں متعدد روایتیں لی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے گیارہ سال کے قلیل عرصہ میں خوب تندہی اور محنت سے احادیث کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابو یوسفؒ القواس فرماتے ہیں۔ کہ جب بھی ہم امام ابو القاسم بغویؒ کے پاس جایا کرتے دارقطنیؒ اس وقت بچے تھے اور ان کے ہاتھ پر روٹی اور سالن ہوتا تھا[۳] جس سے ان کے ذوق و شوق کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے ابن طاہرؒ سے نقل کیا ہے کہ امام دارقطنیؒ بسا اوقات امام بغویؒ سے روایت کرتے ہوئے تدلیس کرتے ہیں۔ اس الزام کی حقیقت اور اس کا جواب آئندہ ہم "امام دارقطنی اور ان کے ناقدین" کے تحت کریں گے ان شاء اللہ

---

[۱] تاریخ بغداد ص ۱۱۱ ج ۱۰ [۲] ایضاً ص ۱۱۶ ج ۱۰ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۴ ج ۲ [۳] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۹ ج ۳

۳۔ الحسینؒ بن اسماعیل بن محمد ابو عبداللہ الضبی القاضی المحاملی

حافظ ذہبیؒ نے "الامام العلامۃ الحافظ شیخ بغداد و محدثہا" کے الفاظ سے ان کا ترجمہ شروع کیا ہے۔ خطیبؒ بغدادی فرماتے ہیں۔

"کان فاضلاً دیناً صادقاً"[1]

ابوبکر الداؤدیؒ کا بیان ہے کہ ان کے حلقہ درس میں دس ہزار طالب علم علم کی پیاس بجھانے کے لئے حاضر ہوا کرتے[2] خطیبؒ بغدادی نے ابوبکر الداؤدیؒ کے ساتھ المحاملیؒ کے ایک پُرلطف مناظرہ کی روئداد ذکر کی ہے جس سے ان کے تبحر علمی اور حاضر جوابی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ موصوف ۳۳۰ھ بمطابق ۹۴۱ء میں فوت ہوئے۔

۴۔ دعلجؒ بن احمد بن دعلج ابو محمد المعدل

بغداد کے مشہور حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ طلب علم کے لئے خراسان، رئی، حلوان، بصرہ، کوفہ، مکہ اور سجستان وغیرہ ممالک کا سفر کیا۔ اور امام عثمانؒ بن سعید الدارمی، عبداللہؒ بن احمد بن حنبل، موسیٰؒ بن ہارون الحافظ جیسے کبار محدثین سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ موصوف علم کی دولت کے ساتھ ساتھ مال و دولت کی نعمت سے بھی سرفراز تھے خطیبؒ بغدادی نے

---

[1] تاریخ بغداد ص ۲۰ ج ۸ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۴۲ ج ۲ [3] تاریخ بغداد ص ۲۱ ج ۸

ان کی سخاوت کے واقعات ذکر کئے ہیں۔ ان ہی کا بیان ہے کہ جب انہوں نے المسند الکبیر لکھ کر ابن عقدہؒ کے پاس بھیجی تو ہر دو ورق کے بعد ایک ایک دینار بھی رکھ دیا۔ علامہ ذہبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ ابن حیویہؒ فرماتے ہیں کہ دعلجؒ ایک دفعہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور فرمایا یہاں سے آپ جس قدر مال لینا چاہتے ہو اٹھا لو تو میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا مجھے مال کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے مکہ، سجستان اور عراق میں محدثین کی خدمت کے لئے صدقات جاریہ مقرر کر رکھے تھے۔[1]

المسند الکبیر کا جو نسخہ ابن عقدہؒ کے پاس بھیجا تھا وہ دراصل امام دارقطنیؒ ہی نے امام دعلجؒ کے اصل نسخہ سے مرتب کیا تھا چنانچہ خطیب بغدادی فرماتے ہیں:۔

"کان ابو الحسن الدارقطنی ھو الناظر فی اصولہ والمصنف لہ کتبہ .... وقال الدارقطنی صنفت لدعلج المسند الکبیر فکان اذا شک فی حدیث ضرب علیہ"[2]

امام دارقطنیؒ فرمایا کرتے کہ میں نے اپنے اساتذہ میں ان سے اثبت کسی کو نہیں دیکھا۔[3] موصوف ۳۵۱ھ (۹۲۶ء) کو فوت ہوئے۔ یاد رہے

---

[1] تاریخ بغداد ص ۳۸۸ ج ۸ تذکرۃ الحفاظ ص ۹۲ ج ۳ [2] تاریخ بغداد ص ۳۸۸ ج ۸

[3] العبر فی خبر من غبر ص ۲۹۱ ج ۲

کہ تذکرۃ الحفاظ کے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں امام دعلج کی کنیت ابو اسحاق مذکور ہے جو درست معلوم نہیں ہوتی۔

۵۔ محمدؒ بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ ابو الحسن البزار

امام دار قطنیؒ کے مشہور اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے ان سے ہزار ہا احادیث روایت کی ہیں۔ ابو بکر البرقانیؒ فرماتے ہیں۔

"کتب الدار قطنی عن ابن مظفر الف حدیث و الف حدیث و الف حدیث فعدد ذلک مرات"[1]

امام دار قطنیؒ انہیں انتہائی عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے۔ محمدؒ بن عمر القاضی بیان کرتے ہیں کہ امام دار قطنیؒ ان کا اس قدر احترام کرتے کہ ان کے سامنے کبھی ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے۔ محمد بن ابی الفوارس فرماتے ہیں۔ "کان ثقۃ امینا ماموناحسن الحفظ وانتھی الیہ الحدیث"[3]

ابو الولیدؒ الباجی نے کہا ہے کہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں تشیع کا رنگ بھی پایا جاتا تھا۔ امام دار قطنیؒ سے اسی شبہ کا اظہار جب ان کے شاگرد اسلمیؒ نے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان میں تشیع انتہائی قلیل تھا جو انشاءاللہ نقصان دہ نہیں ہے[4]

---

[1] تاریخ بغداد ص ۳۶۳ ج ۳ [2] ایضاً تذکرۃ الحفاظ ص ۱۷۸ ج ۳

[3] تاریخ بغداد ص ۲۶۴ ج ۳ [4] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۷۹ ج ۳

محمدؒ بن علی الصوری اپنے بعض مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم ابن معروفؒ قاضی کے حلقہ میں حاضر تھے جب ابوالفضل الزہریؒ تشریف لائے تو ابن مظفرؒ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ابالفضلؒ کو اپنی مسند پر بٹھا دیا۔ پھر ابن معروفؒ قاضی سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے قاضی صاحب آپ اس شخص کو جانتے ہیں یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ اور ان کے تمام آباؤ اجداد محدث چلے آتے ہیں۔ پھر کیا تھا ابن مظفرؒ نے ان کے آباؤ اجداد کے واسطہ سے جس قدر جن مشائخ سے روایتیں پہنچی تھیں بیان کرتے رہے اور یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا[1]

موصوف جمادی الاولیٰ ۳۷۹ھ (۹۸۹ء) کو بروز جمعۃ المبارک فوت ہوئے

۶۔ محمدؒ بن مخلد ابو عبداللہ الدوری العطار

بغداد کے مشہور محدثین میں ان کا شمار ہے۔ امام مسلمؒ بن حجاج، الزبیرؒ بن بکار، یعقوبؒ بن ابراہیم جیسے کبار محدثین سے سماع کا شرف حاصل ہے خطیبؒ بغدادی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"کان احد اهل الفهم موثوقا به فی العلم متسع الروایة مشهور بالدیانة موصوفا بالامانة مذکورا بالعبادة"[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ [2] تاریخ بغداد ص ۲۳۱ ج ۳

امام دار قطنیؒ نے انہیں "ثقہ مامون" کہا ہے۔ حسنؒ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ ابن مخلدؒ کا مکان بغداد کے مشرقی جانب تھا۔ کسب فیض کے لیے تلامذہ کو روزانہ جانا پڑتا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ ہمیں زیادہ سے زیادہ احادیث سنایا کریں کیونکہ بُعدِ مسافت کے سبب روزانہ آمد و رفت مشکل ہے تو فرمانے لگے تم یہاں تک نہیں آسکتے۔ میں تو محدثین کے پاس مختلف مقامات پر حدیث سُننے کے لیے جایا کرتا تھا۔[1]

علامہ ذہبیؒ ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کتب ما لا یوصف کثرۃ وعنی بھذا الشان وصنف و خرّج"۔[2]

تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبیؒ نے ان کا نام محمد بن احمد الخ لکھا ہے لیکن سنن دار قطنی، تاریخ بغداد، العبر وغیرہ دیگر کتب رجال و طبقات میں محمدؒ بن مخلد ہے۔ واللہ اعلم

موصوف ۳۳۱ھ (۹۴۲ء) کو فوت ہوئے۔

۷۔ محمدؒ بن القاسم بن محمد ابو بکر ابن الانباری النحوی

مشہور حافظ حدیث اور مفسر و نحوی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے انہیں "الحافظ شیخ الاسلام" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ خطیبؒ بغدادی نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد ص ۳۱۱ ج ۳ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۶۰ ج ۳

"کان من اعلم الناس بالنحو والادب واکثرهم حفظا وکان صدوقا فاضلا دیّنا خیّرا من اهل السنة وصنف کتبا کثیرة فی علوم القرآن"[1]

اور علامہ ابن العماد ابن ناصر الدین سے نقل کیا ہے کہ وہ ہر فن میں امام تھے اور ہمیشہ زبانی احادیث لکھوایا کرتے تھے[2]۔ علم ادب کا یہ حال تھا کہ قرآن مجید کی تفسیر کے لئے تین لاکھ اشعار حفظ تھے۔ محمد بن جعفر النحوی فرماتے ہیں کہ میں نے ان جیسا حافظ کسی کا نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں نے سوال کیا کہ آپ کو کیا کچھ یاد ہے تو فرمانے لگے۔ یہ تیرہ[13] صندوق جو کتابوں سے بھرے پڑے ہیں، سب کی سب یاد ہیں۔ نیز ابو جعفر فرماتے ہیں۔

"کان) حفظ الناس للغة ونحو وشعر وتفسیر قرآن فحدثت انه کان یحفظ عشرین ومائة تفسیر من تفاسیر قرآن باسانیدها"[3]

ابو العباس فرمایا کرتے

"کان آیة من آیات الله فی الحفظ"[4]

خطیب بغدادی نے بھی ان کی تصانیف کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

(۱) غریب الحدیث (یہ پینتالیس ہزار ورق میں تھی)

---

[1] تاریخ بغداد ص ۱۸۲ ج ۳ انساب للسمعانی ورق ۴۹

[2] شذرات الذہب ص $\frac{۳۱۶}{ج ۲}$ [3] ایضاً وتاریخ بغداد ص ۱۸۲ ج ۳ [4] ایضاً

(۲) کتاب شرف الکافی (یہ ہزار ورق پر مشتمل تھی)

(۳) کتاب الاضداد۔ خطیب فرماتے ہیں "ماراَیت اکبر منہ"

ان کے علاوہ کتاب المقاآت، کتاب المشکل، الجاھلیات، المذکر والمؤنث وغیرہ جیسے اہم علوم پر ان کی متعدد کتابیں ہیں۔

علم و حفظ کے ساتھ ساتھ بہت بڑے زاہد تھے۔ حمزہؒ بن محمد فرماتے ہیں:

"کان مع حفظہ زاھدا متواضعاً" [1]

تواضع اور حق پسندی کا یہ عالم تھا کہ جمعہ کے دن وہ حسب معمول احادیث املا کروا رہے تھے۔ امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں میں بھی وہاں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک راوی کو حبّان پڑھا۔ جس پر مجھے بڑا تعجب ہوا لیکن ان کی جلالت شان کی بنا پر بول نہ سکا۔ مجلس کے ختم ہونے کے بعد میں المستملی سے آہستہ سے کہہ کر چلا آیا کہ یہ صحیح لفظ حیان ہے۔ آئندہ جمعہ جب دوبارہ وہاں گیا تو شیخ ابوبکرؒ نے المستملی سے کہا فلاں جگہ ہم سے غلطی ہو گئی تھی اسے صحیح کرا دو ہمیں اس نوجوان (یعنی امام دار قطنیؒ) نے اس پر مطلع کیا [2]

۸۔ عمرؒ بن احمد بن مھدی

محدثین کی ایسی قلیل جماعت ہے جنہیں یہ شرف حاصل ہے کہ ان کے والد بھی محدث ہوں۔ ان میں سے امام دار قطنیؒ بھی ہیں۔ موصوف امام

---

[1] تاریخ بغداد ص ۱۸۲ ج ۳ [2] ایضاً ص ۱۸۳ ج ۳

دار قطنیؒ کے والد تھے۔ ان سے امام صاحب نے تقریباً سات جگہ پر روایت کی ہے۔

ہم اس سلسلہ کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ ورنہ امام صاحب کے متعدد ایسے اساتذہ ہیں جو یگانۂ زمانہ تھے۔ علم و حفظ کے اعتبار سے ان کا پایہ نہایت بلند ہے۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنن میں امام صاحبؒ نے جن اساتذہ سے روایت لی ہے ان کی تعداد سوا دو سو (۲۲۵) سے متجاوز ہے۔

تلامذہ امام دار قطنیؒ نے جس طرح لا تعداد مشائخ سے اکتساب فیض کیا تھا اسی طرح ان کے دامن سے بے شمار طلبہ وابستہ رہے اور سرچشمہ سنت سے سیراب ہوتے رہے۔ جن میں سے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابو نعیمؒ الاصبہانیؒ (۲) ابوبکرؒ البرقانی (۳) ابو القاسمؒ بن بشران (۴) حمزہؒ بن محمد بن طاہر (۵) عبد الغنیؒ بن سعید المصری (۶) ابو محمدؒ الجوہری (۷) ابو القاسمؒ التنوخی۔ (۸) قاضی ابو الطیبؒ الطبری (۹) ابو عبد اللہؒ الحاکم صاحب المستدرک۔ (۱۰) ابو ذرؒ عبد اللہ بن احمد (۱۱) ابو طاہرؒ بن عبد بن احمد الکاتب (۱۲) حمزہؒ السہمی۔ (۱۳) ابو الغنائمؒ بن المامون (۱۴) ابو الحسینؒ بن المہتدی باللہ (۱۵) ابو حامدؒ الاسفرائینی (۱۶) ابو مسعودؒ صالح بن احمد بن القاسم المیانجی۔ (۱۷) تمام رازی صاحب فوائد مشہورہ (۱۸) عبد الوہابؒ بن عبد وغیرہم

تنبیہ:۔ ابوبکر البرقانی م ۴۲۵ھ جو امام دارقطنی رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد ہیں کے نام پر تذکرہ نویسوں نے اختلاف کیا ہے۔ محدث ڈیانوی نور اللہ مرقدہ نے التعلیق المغنی کے مقدمہ میں ان کا نام یوں ذکر کیا ہے۔

"ابوبکر محمد بن احمد بن غالب المعروف بالبرقانی"

لیکن یہ صحیح نہیں علامہ ذہبی اور دیگر اصحاب الطبقات نے ان کا ذکر یوں کیا ہے۔

"الامام الحافظ شیخ الفقہاء والمحدثین ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب الخوارزمی البرقانی الشافعی شیخ بغداد"[1]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر کا نام احمد ہے۔ اور محمد ذکر کرنے میں محدث ڈیانوی رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ اس کے علاوہ طرح التثریب جلد اول میں البرقانی کا نام ابومنصور محمد بن محمد بن احمد البرقانی ذکر کیا ہے۔ رجال و سیر کی جن کتابوں تک ہمیں رسائی ہوئی ہے۔ ان میں ابومنصور البرقانی نامی کوئی راوی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ یہ ابومنصور نوقانی ہیں۔ جو امام دارقطنی رحمہ اللہ کے شاگرد اور ان کی سنن کے راوی ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

---

[1] تذکرة الحفاظ ص ۲۵۹ ج ۳، العبر ص ۱۵۶ ج ۳، مشتبہ النسبة ص ۴۳، شذرات الذہب ص ۲۲۸ ج ۳، البدایہ ص ۳۶ ج ۱۲، تاریخ بغداد ص ۳۷۴ ج ۴، طبقات الشافعیہ ص ۱ ج ۳، انساب للسمعانی ورق ۶۷، الرسالة المستطرفہ ص ۴۲ وغیرہ

"ابو منصور محمد بن محمد بن احمد النوقانی حدث
عن الدارقطنی بالسنن" [1]

لہٰذا البرقانیؒ کی کنیت ابو منصور ذکر کرنا درست نہیں۔ البرقانی
فتحہ باء اور الراء کے ساتھ ہے۔ علامہ سمعانیؒ فرماتے ہیں۔

"البرقان بفتح الباء المنقوطة بواحدة وسكون
الراء المهملة و فتح القاف هذه النسبة الى
قرية من قرى كانت بنواحي خوارزم" [2]

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ امام دارقطنیؒ کے تلامذہ کا ذکر
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وعبدالغنی منذری صاحب ترغیب و ترہیب ۔۔۔۔۔
از وے تلمذ و شاگردی کردہ اند" [3]

لیکن حافظ منذریؒ صاحب ترغیب الترہیب امام دارقطنیؒ سے
بہت متاخر ہیں اور ان کا نام عبدالعظیم زکی الدین م ۶۵۶ھ ہے۔
عبدالغنی جو امام دارقطنیؒ کے شاگرد ہیں۔ وہ الازدی المصری م ۴۰۹ھ
صاحب کتاب المؤتلف والمختلف ہیں۔

ادب و لغت علمائے سلف علم ادب و لغت کے بغیر کلام اللہ
میں گفتگو کرنا ناجائز تصور کرتے تھے۔ یہی وجہ

---

[1] مشتبہ النسبۃ ص ۴۳-۴۷ [2] الانساب للسمعانی ورق ۷۴
[3] بستان المحدثین ص ۴۹

ہے کہ کبار محدثین و مفسرین کے تراجم میں یہ جملہ پایا جاتا ہے " کان داسافی اللغۃ والعربیۃ" اور کبھی یہ لکھا ہوتا ہے " جمع العلم والفقہ والادب واللغۃ" اس لئے علمائے کرام دیگر علوم کے ساتھ علم ادب و لغت سے گہرا تعلق رکھتے اور اس میں عبور حاصل کرتے۔

امام دارقطنیؒ بھی دیگر محدثین کی طرح علم حدیث کے علاوہ علم ادب و لغت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کو نہ صرف ادب ہی سے گہرا تعلق تھا بلکہ علم حدیث کے علاوہ ہر فن سے دلچسپی تھی۔

ابوالقاسم الزہریؒ کا بیان ہے کہ جس علم کا تذکرہ آتا تو ان کے پاس معلومات کا ذخیرہ ہوتا[۱] ان کی فصاحت کا اندازہ الازہریؒ کے اس قول سے ہوتا ہے جسے خطیب بغدادیؒ نے یوں ذکر کیا ہے کہ امام دارقطنیؒ جب مصر پہنچے تو وہاں مسلمؒ بن علیہ اللہ المنطفری نامی مدینہ کے ایک علوی شیخ تھے۔ ان کے پاس کتاب الانساب خضرؒ بن داؤد زبیرؒ بن بکار کی روایت سے تھی۔ جو انساب کے علاوہ اشعار کا بھی مجموعہ تھا۔ مسلمؒ خود میدان فصاحت کے بڑے شہسوار اور عربی زبان کے ماہر تھے۔ لوگوں نے امام دارقطنیؒ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کتاب النسب پڑھ کر سنائیں۔ آپ نے اسے قبول فرمایا اور اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا۔ وقت مقررہ پر بڑے اہتمام سے مجلس ترتیب،

---

[۱] تاریخ بغداد ص ۳۶ ج ۱۲ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۸ ج ۳ طبقات الشافعیہ ص ۳۱۱ ج ۲

دی گئی۔ مصر کے تمام اصحاب علم و ادب اور فضل و کمال اس ارادہ سے شریک ہوئے کہ دارقطنیؒ کی غلطیوں پر گرفت کی جائے لیکن وہ اپنے ارادہ میں ناکام رہے۔ ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ شیخ علویؒ نے آخر راز کیا تو بے ساختہ چلا اٹھے "وعربیة ایضا" یعنی آپ کو عربی زبان پر بھی اتنی قدرت حاصل ہے[1]۔ انہیں شعراء کے متعدد دیوان از بر تھے۔ منجملہ دواوین کے "سید حمیری" کا دیوان بھی انہیں یاد تھا اس لیئے ان پر شیعہ ہونے کا الزام ہے۔

امام دارقطنی شیعہ تھے؟

یہ تو ابھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ امام دارقطنیؒ "سید حمیری" کے دیوان کے حافظ تھے۔ اسی وجہ سے بعض تذکرہ نویسوں نے انہیں شیعیت کی طرف منسوب کیا ہے۔

سید حمیری جن کا نام اسماعیل بن محمد بن یزید، کنیت ابوالقاسم اور لقب سید تھا۔ مشہور رافضیوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ابو عمرؒ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے "سید الشعراء" کے لقب سے یاد کیا ہے[2] اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔۔ "وکان رافضیا خبیثا"[3]

یعنی وہ بڑا دریدہ دہن اور گستاخ شیعہ تھا۔ ایسے شخص کا پورا دیوان یاد ہونے کی بنا پر امام دارقطنیؒ کو تشیع کی طرف منسوب کیا

---

[1] تاریخ بغداد ص ۳۶ ج ۱۲ [2] رجال کشی ص ۲۴۵

[3] لسان المیزان ص ۴۳۶ ج ۱

گیا ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

ونسب الی التشیع [1]

اور وفیات الاعیان میں ہے۔

"فنسب الی التشیع من ذلک"

اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے اُن الفاظ سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو انہوں نے جوزجانی صاحب کتاب الضعفاء کے متعلق کہے ہیں جس سے تشیع کی طرف میلان معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں :۔

"وکان فیہ انحراف عن علی" [2]

حافظ ابن حجرؒ نے اس کے بعد السلمی کے واسطہ سے ایک واقعہ امام دار قطنیؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز جوزجانیؒ نے مرغی کا بچہ ذبح کروانے کے لئے اپنی لونڈی کو بھیجا لیکن اتفاق کی بات کہ کوئی بھی اُسے ذبح کرنے پر آمادہ نہ ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ سبحان اللہ یہ لوگ، مُرغی کا بچہ ذبح کرنے سے کتراتے ہیں حالانکہ حضرت علیؓ نے ایک دن میں بیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کروا ڈالا تھا۔

لیکن یہ سند صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ السلمی جن کا نام محمد بن حسین النیشاپوری ہے۔ اولاً وہ خود متکلم فیہ ہے۔ ثانیاً امام دار قطنیؒ کی پیدائش سے قبل

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷ ج ۲

[2] تہذیب التہذیب ص ۱۸۲ ج ۱

جوزجانی ۲۵۶ھ یا ۲۵۹ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ البتہ معجم البلدان میں جوزجان کے تحت یہ قصہ بواسطہ عبداللہ بن احمد بن عدبس مذکور ہے اور تاریخ بغداد ص ۳۸۷ ج ۹ اور ابن عساکر ص ۲۸۸ ج ۷ وغیرہ میں گو ابن عدبس کا ترجمہ منقول ہے۔ لیکن اس کی توثیق وغیرہ کہیں پتہ نہیں چلتا۔ علامہ عبدالرحمٰن الیمانی نے "التنکیل لما فی تانیب الکوثری من الاباطیل والاکاذیب" میں اس قصہ پر مفصل نقد کیا ہے [1]

تاہم واقعہ یہ ہے کہ جوزجانی ناصبی ضرور تھے۔ حافظ ابن حجرؒ اسماعیل بن ابان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"الجوزجانی کان ناصبیا منحرفا عن علی فهو ضد الشیعی المنحرف عن عثمان" [2]

تہذیب التہذیب میں حافظؒ نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ بنابریں امام دارقطنیؒ کے قول "کان فیه انحراف عن علی" سے یہ کیونکر لازم ہے کہ وہ خود شیعہ تھے۔ حالانکہ اس قسم کا اظہار تو امام ابن عدیؒ نے بھی جوزجانی کے متعلق کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"کان شدید المیل الی مذهب دمشق فی المیل الی علی" [3]

تو کیا انہیں بھی شیعہ کہا جائیگا؟ ہرگز نہیں۔ اور جہاں تک جوزجانی کی توثیق کا تعلق ہے تو اس کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں

---

[1] التنکیل ص ۱۰۰ ج ۱ [2] ھدی الساری ص ۴۵۷ [3] تہذیب التہذیب ص ۱۸۲ ج ۱

"کان من الحفاظ المصنفین والمخرجین الثقات"[1]

لہٰذا امام دار قطنیؒ کا مذکورہ قول کہ کان فیہ انحراف عن علی" ان کے شیعہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اہل سُنت کے عقیدہ کے مطابق انہوں نے یہ جرح کی ہے۔

رہی بات سید حمیری کا دیوان یاد کرنے کی تو اس سے بھی ان کا شیعہ ہونا لازم نہیں آتا جبکہ وہ خود سید حمیری جیسے غالی شیعہ کی تردید ان الفاظ سے کرتے رہیں ہیں۔

"کان یسب السلفؒ فی شعرہ ویمدح علیا رضی اللہ عنہ"[2]

کیا شیعہ نظریات کا حامل شیخین رضی اللہ عنہما کو سلف کے الفاظ سے تعبیر کرسکتا ہے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے۔ لہٰذا ان وجوہ یا رد کی بنا ر پر انہیں شیعہ کہنا یا تشیع کی طرف منسوب کرنا قطعاً درست نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ محققین نے اس الزام کی جابجا تردید کی ہے۔ ابن الذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

" ما ابعدہ من التشیع "[3]

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے یحیی بن الحسین کے ترجمہ میں اس الزام کا قدرے تفصیل سے جواب دیا ہے اور آخر میں لکھا ہے۔

"ھذا لا یثبت عن الدار قطنی"[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۱۸۲، ۵، [2] لسان المیزان ص ۴۳۶ ج ۱

[3] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷ ج ۳ [4] لسان المیزان ص ۲۴۹ ج ۶

یعنی امام دار قطنیؒ کی طرف تشیع کی نسبت درست نہیں۔

ہمارے اس دعویٰ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ "ابن عقدہ" جن کا نام احمد بن محمد ہے اور امام دار قطنیؒ کے استاد ہیں وہ چونکہ غالی شیعہ تھے جیسا کہ حافظ ابن عدیؒ نے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"سمعت ابن عقدة يثنى على ابى مريم ويطريه وتجاوز الحد فى مدحه حتى قال لو ظهر ابو مريم ما اجتمع الى شعبة قال وانما مال اليه ابن عقدة هذا الميل لافراطه فى التشيع"

یعنی ابو مریم (عبدالغفور بن قاسم رافضی) کے متعلق ابن عقدہ کا یہ کہنا کہ اگر وہ ظاہر ہو جاتے تو امام شعبہؒ کے پاس لوگ نہ جاتے اس پر دال ہے کہ ان میں حد درجہ کا تشیع تھا"

اسی بناء پر امام دار قطنیؒ ان سے نالاں تھے چنانچہ ان کے شاگرد "السلمی" نے ایک مرتبہ جب اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔

"حافظ محدث ولم يكن فى الدين بقوى ولا ازيد على هذا"

اور حمزہ بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے امام دار قطنیؒ کو یہ فرماتے سنا۔

"هذا رجل سوء يشير الى الرفض"

خلاصہ یہ کہ جب ایک شخص جو اپنے استاذ محترم جن کی قوتِ حافظہ کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہو کہ

" لوگوں کے پاس جو کچھ ہے ابن عقدہ اسے جانتے ہیں اور جو

ان کے پاس تھا لوگ اسے نہیں جانتے۔"

لیکن جب وہ اس میں تشیع کی بو پاتا ہے تو اسے معاف نہیں کرتا۔ بلکہ واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ "ھو رجل سوء" تو خود ایسے شخص پر شیعیت کا الزام کس قدر بے ہودہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محققین نے اس نسبت کی تردید کی ہے جیسا کہ ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں۔ رہی اس سلسلہ میں ان کے عقیدہ کی وضاحت تو ابن طاہر بیان فرماتے ہیں کہ بغداد میں ایک دفعہ یہ اختلاف پیدا ہوا کہ حضرت عثمانؓ افضل ہیں یا حضرت علیؓ؟ بالآخر جب یہ تنازع امام دارقطنیؒ کے پاس پہنچا، ابتداءً تو انہوں نے سکوت اختیار کیا لیکن جب خاموش نہ رہ سکے تو فرمایا:-

"صحابہ کرام کے نزدیک بالاتفاق حضرت عثمانؓ افضل ہیں اور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔"

خطیب بغدادی ان کے عقیدہ کی صراحت ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں:- وانتھی الیہ علم الاثر... مع صحۃ الاعتقاد وسلامۃ المذہب"

یعنی ان کا عقیدہ صحیح اور درست تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام موصوفؒ کی طرف تشیع کی نسبت قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ اور "سید الحمیری" کے دیوان کو یاد کر لینا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ تشیع سے تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذکاوت وحافظہ

امام دارقطنیؒ کو قوت حافظہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وافر حصہ ملا تھا

محدثین رحمہم اللہ کے حافظ کے متعلق جو تاریخی روایات مشہور ہیں اس کا ایک نمونہ اور مصداق آپ بھی تھے۔

چنانچہ ابوالقاسمؒ الازہری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہیں اسماعیلؒ الصفار م ۳۴۱ھ کی مجلس املاء میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ محدث موصوفؒ املا کروا رہے تھے اور امام دارقطنیؒ کے پاس ایک رسالہ تھا جسے وہ نقل کر رہے تھے اور سماع بھی جاری تھا۔ حاضرین مجلس میں سے اس پر کسی نے ٹوکا اور کہا تمہارا سماع درست نہیں۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ میرا ذوق تم سے نرالا ہے یعنی سماع کے ساتھ میں لکھ بھی رہا ہوں اور سماع میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ مزید کہا معلوم ہے کہ شیخ نے اب تک کتنی روایات لکھوائی ہیں؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ امام موصوف نے فرمایا، شیخ نے اب تک کل اٹھارہ حدیثیں لکھوائی ہیں۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی اٹھارہ تھیں۔ بعدہٗ انہوں نے فرمایا پہلی روایت فلاں راوی فلاں متن کے ساتھ مروی ہے اور دوسری روایت کی سند یہ ہے اور متن یہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان اٹھارہ احادیث کو مع الاسناد حرف بہ حرف سنا دیا۔ حاضرین یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئے[1]

---

[1] تاریخ بغداد ص ۳۶ ج ۱۲، تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷ ج ۳، طبقات الشافعیہ ص ۳۱۱ ج ۲

خطیبؒ بغدادی جو حافظ مشرق کے لقب سے مشہور ہیں، ان کے متعلق سید مؤدب کہتے ہیں کہ جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا آپ حافظ ابوبکر ہیں، "تو انہوں نے جواب دیا بھائی میں تو احمد بن علی الخطیب ہوں، حافظ تو امام دار قطنیؒ پر ختم ہو گیا ہے[1]

علامہ سمعانیؒ رقمطراز ہیں:-

"کان یضرب به المثل فی الحفظ"[2]

یعنی ان کا حافظہ ضرب المثل تھا۔

حافظ ذہبیؒ نے ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:-

"الامام شیخ الاسلام حافظ الزمان"[3]

العقیلیؒ فرماتے ہیں کہ میں امام دار قطنی کی مجلس میں حاضر ہوا تو ابوالحسن البیضاوی ایک اجنبی آدمی کے ساتھ تشریف لائے اور کہا کہ اسے احادیث لکھوا دیں تو امام دار قطنیؒ نے بیٹھے بیٹھے زبانی بیس سے زائد احادیث نقل کروا دیں اور لطف یہ کہ تمام کا متن یہ تھا۔ نعم الشئ الهدیة امام الحاجة" چنانچہ وہ یہ احادیث لکھ کر چلا گیا تو دوسرے دن امام موصوف کے لیے کوئی چیز بطور تحفہ پیش خدمت کی، آپ نے اسے پاس بٹھا لیا اور زبانی سترہ احادیث لکھوا دیں جن کا متن یہ تھا۔

" اذا جاء کم کریم قوم فاکرموہ "

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷/ ج ۳   [2] انساب ورق ۲۱۷

[3] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۶/ ج ۳

اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

"ھنا یخضع للدارقطنی وسعۃ حفظہ الجامع لقوۃ الحافظۃ والقوۃ الفھم والمعرفۃ"[۱]

حافظ ذہبیؒ کا یہ قول امام دار قطنیؒ کے علم و فضل اور قوت حافظہ پر سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہاں اس بات کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ حافظ ابن جوزیؒ نے ان روایات کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ جنہیں امام دار قطنیؒ نے ابن اجنبی کو متعدد اسانید کے ساتھ لکھوایا تھا اور اس پر انتہائی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"واعجبا من الدارقطنی کیف روی حدیثین لیس فیھما مالم یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یبیّن"[۲]

لیکن علامہ ابن جوزیؒ کا یہ تعجب محل نظر ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ ضعیف تو کہا جا سکتا ہے، موضوع نہیں۔ چنانچہ علامہ المنادی فرماتے ہیں

"وحکم ابن الجوزی بوضعہ وتعقبہ العراقی و تلمیذہ بانہ ضعیف لا موضوع"

بلکہ یہ روایت بایں الفاظ (اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ) گیارہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور وہ یہ ہیں:۔ ابن عمرؓ۔ جریرؓ بن

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۹ ج ۳ [۲] کتاب الموضوعات ص ۹۱ ج ۳

[۳] فیض القدیر ص ۲۴۲ ج ۱

عبداللہ - ابو ہریرہؓ - معاذؓ - ابو قتادہؓ - جابرؓ بن عبداللہ - ابن عباسؓ عبداللہ بن ضمرہ - عدیؓ بن حاتم - ابو راشدؓ - انسؓ بن مالک۔

امام حاکمؒ نے جابرؓ بن عبداللہ سے یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے

"هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة" [۱]

اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اسے ذکر کرتے ہوئے اس کے صحت کی علامت لگائی ہے [۲] بلکہ اللآلی میں تو "عند البعض المتواتر" کے الفاظ مذکور ہیں۔

رہی دوسری روایت یعنی "نعم الشیئ الھدیۃ بین یدی الحاجۃ" تو یہ بھی متعدد طرق سے مروی ہے۔ گو اس کے تمام طرق ضعیف ہیں تاہم کثرت طرق سے یہ روایت حسن لغیرہ کے درجہ سے ساقط نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے حافظ ابن جوزیؒ کے مذکورہ بالا کلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"قلت يا واعجبا من المولف كيف يحكم على رد الاحاديث الثابتة من غير تثبت ولا تتبع" [۳]

اس کے بعد انہوں نے دونوں روایتوں کے مختلف طرق ذکر کئے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حافظ ابن جوزیؒ کا یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱؎ المستدرک ص ۱۲۹ ج ۴ ۲؎ الجامع الصغیر ص ۱۳۲ ج ۱ ۳؎ اللآلی المصنوعہ ص ۲۹۹ ج ۲

ہاں تو ذکر امام دارقطنیؒ کے قوت حافظہ کا ہو رہا تھا۔ اس قسم کے اور بھی واقعات تذکرہ نویسوں نے نقل کئے ہیں جنہیں ہم نظر انداز کرتے ہوئے اس عنوان کو امام حاکمؒ کے اس قول پر ختم کرتے ہیں۔

"صار الدارقطنی اوحد عصرہ فی الحفظ والفہم والورع"[1]

علمی دبدبہ

امام دارقطنیؒ کے قوت حافظہ کا اندازہ تو ہو چکا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی مجلس میں بڑے بڑے حفاظ حدیث جن کے علم و فضل کا چرچا تھا وہ بھی ان کے سامنے بات کرنے سے کتراتے تھے۔

محمدؒ بن عمر الداودی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام دارقطنیؒ اور ابن شاہینؒ ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ لیکن ابن شاہینؒ پر یہ کیفیت طاری تھی کہ ابوالحسن دارقطنیؒ کے رعب کی وجہ سے وہ بول نہیں رہے تھے مبادا غلطی نہ ہو جائے[2]

امام دارقطنیؒ اپنے اساتذہ کی نظر میں

امام دارقطنیؒ کی تعریف میں جہاں ان کے معاصرین، تلامذہ اور دیگر تذکرہ نویس رطب اللسان ہیں، تو دوسری طرف ان کے اساتذہ بھی انہیں بڑی قدر و احترام کی نگہ سے دیکھتے تھے خطیبؒ بغدادی نے البرقانیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے دارقطنیؒ سے کہتے سنا کہ میں نے سوجانیؒ کے واسطے سے چند ایسی احادیث سنیں جن میں وہ منفرد تھے۔ میں ان کی تصدیق کے لیے ان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷ ج ۱ [2] ایضاً ص ۱۸۴ ج ۳

کے پاس کوفہ گیا۔ جب وہاں پہنچا تو ابو العباس ابن عقدہ بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے ایک کاغذ پہ وہ احادیث لکھ کر ان کے سامنے پیش کر دیں ابو العباس ابن عقدہؒ نے انہیں ایک نظر دیکھا اور بغیر پڑھے وہ ورقہ ایک طرف رکھ دیا اور کہا۔ یہ بغدادی لوگ ایسی روایات پیش کرتے ہیں جنہیں ہم بھی نہیں جانتے۔ اس کے بعد انہوں نے سودانیؒ پر قرأت شروع کر دی تو ناگہاں وہ ایسی روایت پر پہنچے جسے میں نے لکھ کر ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس پر میں نے کہا یہ حدیث ان احادیث سے ایک ہے جنہیں میں نے پیش کیا ہے۔ انہوں نے دھیان نہ دیا۔ اور پڑھنا شروع کر دیا میں نے دوبارہ عرض کی یہ حدیث بھی میری ان احادیث سے ہے جنہیں میں لکھ کر لایا ہوں۔

میں یہ کہہ کر واپس اپنی قیام گاہ پر لوٹ آیا اور آتے ہی مجھے بخار ہو گیا جس کی وجہ سے دوبارہ مجلس میں نہ جا سکا۔ ایک دن میں اسی حالت میں لیٹا ہوا تھا کہ ناگہاں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ میں نے پوچھا کون؟ تو جواب ملا ابن سعیدؒ ہوں۔ میں نے دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ استاد ابو العباس ابن عقدہؒ تشریف فرما ہیں۔ ان کے گلے چمٹ گیا اور عرض کی حضرت آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت کیوں فرمائی؟ حکم بھیج دیا ہوتا میں خود حاضر ہو جاتا۔ فرمانے لگے بھائی ہم نے تمہارے واپس لوٹ آنے کے بعد تمہیں پہچانا۔ ان الفاظ سے معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تم مجلس میں کیوں نہیں آئے؟ میں نے عرض کی بخار میں مبتلا رہا ہوں۔

اسی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکا۔ انہوں نے فرمایا۔ آپ مجلس میں تشریف لایا کریں اور جو چاہیں پوچھا کریں۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں اس کے بعد جب کبھی انکی مجلس میں جاتا وہ میری بڑی عزت کرتے اور اپنے پاس اونچی جگہ پر بٹھاتے[1]

خطیبؒ نے اپنے استاذ الخلالؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ محدثین کی ایک جماعت بیٹھی تھی جن میں ابوالحسنؒ ابن المظفر، قاضی ابوالحسنؒ الجراحی اور دیگر مشائخ بھی تھے تو نماز کا وقت آگیا۔ امام دار قطنیؒ کے علاوہ کوئی بھی نماز پڑھانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ حالانکہ وہاں ان سے عمر کے اعتبار سے بڑے شیوخ بھی موجود تھے[2]

اس قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ امام دار قطنیؒ کا مقام ان کے اساتذہ کی نظر میں کیا تھا۔ جس سے بڑھ کر عزت و منزلت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

فقر و فاقہ

محدثین کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت فقر و فاقہ میں مبتلا رہی اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کا حوصلہ ختم کر دینے اور ہمت کو ہرا دینے والی کوئی چیز غالباً افلاس سے بڑھ کر نہیں جس میں پھنس کر انسان عزم و استقلال کھو بیٹھتا اور دل و دماغ کی شگفتگی دھو بیٹھتا ہے۔ لیکن محدثین عظام شکر اللہ سعیہم

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۷ [2] ایضاً

کو اس قسم کی مشکلات ان کے شاہراہِ علم کے لئے سدِ راہ نہ بن سکیں۔ کیونکہ وہ عزم و استقلال کے علاوہ علم دین کی لذت میں اس قدر سرشار رہتے کہ انہیں اپنی تکالیف کا احساس تک نہ ہوتا۔

تذکرہ نویسوں نے محدثین کے تذکرہ میں اس قسم کے متعدد واقعات نقل کیئے ہیں۔ ان ہی شخصیتوں میں ایک امام دارقطنیؒ بھی تھے۔

طلب علم کی زندگی ہی نہیں بلکہ ابتدائی زندگی نہایت فقر و مسکنت میں گزری۔ لیکن جب آپ "ابوالفضل جعفر بن فضل المعروف بابنؒ خنزابہ" کے پاس گئے تو انہوں نے آپ کی عزت کے ساتھ ساتھ امداد بھی کی جس سے آپ فارغ البال ہو گئے۔ ابوالفضلؒ وقت کے وزیر اعظم ہونے کے علاوہ بہت بڑے محدث بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ امام دارقطنیؒ کا ان کی طرف سفر کرنا دولت کی غرض سے نہ تھا بلکہ اصل مقصد حصول علم تھا۔ چنانچہ "کتاب المدبج" میں امام دارقطنیؒ نے ان سے روایات بھی نقل کی ہیں[۱]۔

خطیبؒ بغدادی نے امام دارقطنیؒ کے ان کے پاس جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوالفضلؒ مصر میں احادیث لکھوایا کرتے تھے۔ اور ان کا ارادہ تھا کہ ایک مسند لکھوائی جائے تو امام دارقطنیؒ وہاں گئے اور کافی عرصہ تک ان کے پاس رہے اور ابوالفضلؒ نے انہیں کافی مال دیا[۲]۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۱۲ ج ۳ البدایہ ص ۳۱۷ ج ۱۱ [۲] تاریخ بغداد ص ۳۴ ج ۱۲

عدم مزاجی و انکساری

امام دار قطنیؒ نہایت منکسر المزاج اور رقیق القلب تھے۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے استاذ ابوبکر الرملیؒ ابن النابلسی جو قید کر کے تختۂ دار پر لٹکائے گئے تھے، جب بھی ان کا تذکرہ کرتے تو آبدیدہ ہو جاتے اور فرماتے جب ان کی چمڑی ادھیڑی جا رہی تھی تو اس وقت یہ آیت ان کی زبان پر تھی۔

" وکان ذلک فی الکتاب مسطورا " [1]

انکساری کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے :۔

" من احب ان ینظر قصور علمه فلینظر فی علل حدیث الزهری لمحمد بن یحیی الذهلی " [2]

حافظ عبد الغنیؒ الازدی المصری جو آپ کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب میں المؤتلف لکھنے لگا تو دار قطنیؒ میرے پاس آئے۔ اس سلسلہ میں، میں نے ان سے استفادہ کیا۔ اور ان تمام مضامین کو المؤتلف میں جمع کر دیا۔ جب تصنیف سے فارغ ہوا تو امام موصوف نے مجھے کہا اس کی قرأت کرو۔ میں نے عرض کی حضرت یہ سب کچھ آپ ہی کا تو فیض ہے۔ فرمانے لگے۔ نہیں نہیں مجھ سے تو تم نے تھوڑی سی روایات دریافت کی ہیں۔ دوسرے شیوخ کے مسموعات بھی تو تو نے اس میں

---

[1] معجم البلدان ص ۴۰۷ ج ۴ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۲ ج ۳

جمع کئے ہیں۔ چنانچہ ان کے اس اصرار پر مجھے اس کی قرأت کرنا پڑی۔[1]

رجاءؒ بن محمد المعدل فرماتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنیؒ سے پوچھا کہ کیا اپنے جیسا متبحر عالم آپ نے دیکھا ہے، فرمانے لگے۔

"قال اللہ تعالےٰ فلا تزکوا انفسکم"[2]

تحدیث نعمت اللہ جل شانہ نے آپ کو جس علم و فضل کی دولت سے نوازا تھا اسے وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اور کبھی کبھار تحدیث نعمت کے طور پر اس کا ذکر بھی کرتے۔ "قاضی ابو الطیب الطبریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دارقطنیؒ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ "الوضو من مس الذکر" کی احادیث بیان فرما رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا:۔

▪ اگر آج احمدؒ بھی ہوتے تو وہ ان احادیث سے استفادہ کرتے"۔[3]

ابو القاسم الازہریؒ کا بیان ہے کہ ابن ابی الفوارسؒ نے امام دارقطنیؒ سے ایک حدیث کی علت کے متعلق سوال کیا جب وہ جواب دے چکے تو فرمایا۔

"یا ابا الفتح لیس بین المشرق والمغرب من یعرف ھذا غیری"[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۲ ج ۳ [2] ایضاً ص ۱۰۸ ج ۳
[3] تاریخ بغداد ص ۳۸ ج ۱۲ طبقات الشافعیہ ص ۳۱۱ ج ۲ [4] تاریخ بغداد ص ۳۹ ج ۱۲ طبقات الشافعیہ ص ۳۱۱ ج ۲

نیز فرمایا کرتے تھے اے اہل بغداد جان لو جب تک میں زندہ ہوں کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی جرأت نہیں [1]

امام دارقطنیؒ اور ان کے معاصرین

اس سلسلہ کو ہم دو انواع پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک باعتبار منافرت وغیرہ کے اور ایک باعتبار فضل و مرتبت کے مشہور ہے۔ "المعاصرۃ اصل المنافرۃ" اکثر بڑے بڑے محدثین بھی اس بشری کمزوری سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ بنا بریں محدثین کے نزدیک "قاعدہ یہ ہے کہ معاصر کی جرح بدون صراحت قبول نہیں ہوتی۔ امام نسائیؒ کا احمد بن صالح ابراہیمؒ النخعی کا شعبیؒ اور امام مالکؒ کا ابن اسحاقؒ کے متعلق جو اقوال جرح و تعدیل کی کتابوں میں منقول ہیں وہ دراصل اسی قبیل سے ہیں۔ جن کی طرف محققین نے التفات تک نہیں کیا۔

تاہم امام دارقطنیؒ کا دامن اس قسم کی آلودگیوں سے بالکل مبرا تھا۔ اپنے زمانہ کے اصحاب فضل ہی نہیں بلکہ اپنے تلامذہ کی تعریف و توصیف میں بھی وہ رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جب مصر سے واپس آئے تو "البرقانی" نے دریافت کیا آپ نے کسی کو ایسا پایا ہے جو علم و فہم کا مالک ہو تو اس کے جواب میں فرمایا۔ ہاں ایک نوجوان عبدالغنی جو آگ کا شعلہ تھے۔ پھر ان کے بارے میں بڑے توصیفی کلمات کہے۔ منصورؒ بن علی الطرسوسی

---

[1] کتاب الموضوعات ص ۴۵ ج ۱

فرماتے ہیں جب امام دار قطنیؒ نے مصر سے چلے جانے کا ارادہ کیا تو ہم انہیں الوداع کہنے آئے۔ ہم سے نہ رہا گیا تو ان کی جدائی میں رونا شروع کر دیا۔ فرمانے لگے روتے کیوں ہو عبدالغنی جو تمہارے پاس ہے [1]

عبداللہؒ بن ابراہیم الاُصیلی کے متعلق فرمایا کرتے اس شان کا آدمی میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ الغرض اس قسم کے اور بھی واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ امام دار قطنیؒ ہیں معاصرت کی بناء پر منافرت جو ایک بشری کمزوری اور قدرتی امر ہے، سے مبرا تھے بلکہ وہ ہر صاحب فضل کا اعتراف کرتے اور اس سے استفادہ کرتے۔

رہی بات فضل و مرتبت کی تو جس کو رجال و سیر کی کتابوں کو کھنگالنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو وہ اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امام دار قطنیؒ جیسی شخصیت ان کے معاصرین میں مفقود تھی۔ بعض فنون میں اگرچہ کسی صاحب کو ان پر فضیلت دی جا سکتی ہے لیکن باعتبارِ مجموعی تو ان کا پلہ تمام سے بھاری تھا۔ اگر کوئی ان میں مورخ ہے تو حدیث اور رجال جیسے وسیع علم میں وہ ملکہ نہ حاصل کر سکا جو امام موصوف کو میسّر تھا۔ اور اگر کوئی حدیث و رجال کا ماہر ہے تو علل حدیث جیسے دقیق فن کی بھول بھلیوں سے وہ نا آشنا تھا۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس کی قدرے تفصیل آ رہی ہے۔ ہم یہاں صرف ان کے چند ایک ممتاز معاصرین کی فہرست

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳۶ ج ۳

مع تراجم اختصار سے نقل کرتے ہوئے فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

عمر بن احمدؒ بن عثمان المعروف بابن شاہین م ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء

ان کی رفعت شان، قوت حافظہ اور کثرت تصانیف سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ حافظ ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ "الحافظ المفید المکثر محدث العراق" جیسے شاندار الفاظ سے شروع کیا ہے۔ ابن ابی الفوارسؒ ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"ثقہ مامون صنف مالم یصنفہ احد" [1]

ان تمام اوصاف کے باوجود محمدؒ بن عمر الداوردی فرماتے ہیں۔

"ابن شاھین بقیۃ الشیوخ الا انہ کان لحانا ولا یعرف الفقہ" [2]

اس کے برعکس فقہ میں جو مقام دار قطنیؒ کو حاصل تھا اس کا اندازہ خطیب بغدادیؒ کے اس قول سے ظاہر ہے۔

"ومنھا المعرفۃ بمذاھب الفقہاء فان کتاب السنن الذی صنفہ یدل علی انہ کان ممن اعتنی بالفقہ" [3]

یہی نہیں بلکہ ہم "الداودی" ہی کے بیان سے نقل کر آئے ہیں کہ دار قطنیؒ اور ابن شاہینؒ ایک دفعہ اکٹھے ہوئے تو ابن شاہینؒ اس قدر رعب میں دب

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷ ج ۳ [2] ایضاً [3] تاریخ بغداد ص ۳۵ ج ۱۲

گئے کہ ڈر سے بول بھی نہ سکے۔

محمدؒ بن محمد بن احمد ابو احمد الحاکم النیسابوری الکرابیسی م ۳۷۸ھ ۹۸۸ء

اپنے وقت کے کبار محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ العلل کے موضوع پر ان کی کتاب بڑی وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن العلل میں جو مقام امام دارقطنیؒ کو حاصل ہے وہ امام ابو احمدؒ کو بھی میسّر نہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔

"در فن علل حدیث و اسماء الرجال بے نظیر وقت یگانہ عصر خود بود"[1]

اگر یہاں ہم ابو عبداللہؒ الحاکم کا ذکر کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ موصوف امام دارقطنیؒ اور امام ابو احمدؒ الحاکم دونوں کے شاگرد ہیں۔ بایں صورت شاگرد کی رائے ہی اقرب الی الصواب تصور ہوگی کیونکہ وہ دونوں کے علم و فضل سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابو احمدؒ الحاکم کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ھو حافظ عصرہ بھذہ الدیار"[2]

یعنی دیارِ خراسان میں اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ اس کے مقابلہ میں امام دارقطنیؒ کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں

"صار الدارقطنی اوحد عصرہ فی الحفظ والفہم والورع"[3]

شاگرد رشید کی اس شہادت سے ان دونوں بزرگوں میں جو تفاوت

---

[1] بستان المحدثین [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۷۵ ج ۳ [3] ایضاً ص ۱۸۷ ج ۳

ہے وہ بالکل عیاں ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابواحمدؒ الحاکم کا آخری عمر میں حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا۔ جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے لیکن امام دارقطنیؒ کا حافظہ تا آخر سلامت رہا۔ بایں وجہ بھی امام صاحبؒ کا مقام ان سے کہیں بلند و برتر ہے۔

امام محمدؒ بن حبان بن احمد المعروف بابن حبان م ۳۵۴ھ ۹۶۵ء

امام دارقطنیؒ کے معاصرین میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ امام حاکمؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

"کان من اوعیۃ العلم فی اللغۃ والحدیث والوعظ ومن عقلاء الرجال" [۱]

صحیح ابن حبان انکی مشہور تصنیف ہے لیکن اس میں انہوں نے تساہل سے کام لیا ہے۔ مجہول الحال کو ثقہ کہنے میں ان کا تساہل مشہور ہے۔ اور دوسری طرف الفاظ جرح میں متشدد ہیں جس کی بنا پر آئمہ فن نے ان کی اس قسم کی جرح و تعدیل کو بنظر استحسان نہیں دیکھا۔ ان کے تشدد کا ذکر علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں سوید بن عمرو اور عثمان بن عبدالرحمٰن کے ترجمہ میں کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں۔

ابن حبان ربما جرح الثقۃ حتی کانہ لایدری ما یخرج من راسہ [۲]

---

[۱] طبقات الشافعیہ ص ۱۴۱ ج ۲ [۲] القول المسدد

ان سے قبل حافظ ذہبیؒ نے افلح بن سعید المدنی کے ترجمہ میں بھی یہی الفاظ کہے ہیں۔ رہا ان کا مجہول الحال کو ثقہ کہنا تو اس کے متعلق علامہ ابن عبد الہادیؒ فرماتے ہیں۔

"وقد علم ان ابن حبان ذکر فی ھذا الکتاب الذی جمعہ فی الثقات عددا کثیرا وخلقا عظیما من المجھولین الذی لا یعرف من ھو ولا غیرہ احوالھم" [1]

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" کے مقدمہ اور علامہ الکتانیؒ نے الرسالۃ المستطرفۃ (ص ۱۲) میں بھی اس کی صراحت کی ہے الخلاصۃ "تہذیب الکمال" کے حاشیہ میں منقول ہے۔

"وثقہ ابن حبان ولا یعتد بتوثیقہ وحدہ" [2]

الغرض ان کے اس رویہ کی بناء پر آئمہ جرح و تعدیل نے ان سے اختلاف کیا ہے مگر امام دارقطنیؒ ان سب عیوب سے پاک ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے انہیں معتدلین میں شمار کیا ہے اور بلا اختلاف محدثین متاخرین نے ان کی توثیق و تضعیف پر اعتماد کیا ہے۔ جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آرہی ہے اس کے علاوہ عقائد کے اعتبار سے بھی محدثین کے نزدیک امام ابن حبانؒ کا دامن صاف نہیں۔ یحییٰ بن عمار فرماتے ہیں:

"کان لہ کبیر علم ولم یکن لہ کبیر دین" [3]

---

[1] الصارم المنکی ص ۹۳ [2] الخلاصۃ ترجمہ سلیمان بن ابی جلید

[3] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۲۶ ج ۳

عبدالصمدؒ بن محمد اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ابن حبانؒ کا یہ نظریہ تھا کہ نبوت علم و عمل کا نام ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے انہیں زندیق تک کہا تھا بلکہ خلیفہ وقت کے پاس جب یہ بات پہنچی۔ تو انہوں نے قتل کا حکم دیا۔ علامہ ذہبیؒ نے گو اس الزام کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ تاہم آخر میں یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکے۔

"لاریب ان اطلاق ما نقل عن ابن ابی حاتم لایسوغ وذالک نفس فلسفی" [1]

امام ابن حبانؒ کے اس عقیدہ سے غالباً کسی کو اتفاق نہ تھا۔ اسی وجہ سے انہیں بُرا بھلا کہا گیا۔ اور ان کے قتل تک کی نوبت آئی لیکن امام دارقطنیؒ کا دامن اس قسم کے الزامات سے پاک ہے۔ ان پر شیعہ ہونے کا جو الزام تھا اس کا ہم نے مدلل و محکم جواب دے دیا ہے۔

محمدؒ بن الشیخ ابی یعقوب اسحاق المعروف بابن مندہ م ۳۹۵ھ ۱۰۰۴ء

حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ابن ناصرالدینؒ انہیں "کوہ علم" کے لقب سے پکارا کرتے تھے [2] ان کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ابن ناصرالدین ہی کا بیان ہے کہ جب وہ سفر سے واپس لوٹے تو ان کی کتابیں چالیس اونٹوں پر تھیں [3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۲۷ [2] شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۴۶ [3] ایضاً

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بابن البیع النیساپوری

موصوف امام حاکم صاحب المستدرک کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ حسن تصنیف پر انہوں نے دعا بھی مانگی تھی۔ جو بقول مورخین درجہ قبولیت کو پہنچی۔ ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حاکم سے سُنا۔ فرماتے تھے۔

"شربت ماء زمزم وسالت اللہ ان یرزقنی حسن التصنیف"[1]

امام دارقطنیؒ سے ابن مندہؒ اور امام حاکمؒ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا۔

"ابن البیع اتقی حفظاً"

یعنی حفظ کے اعتبار سے امام حاکمؒ ابن مندہؒ سے زیادہ بہتر ہیں۔ محمدؒ بن طاہر فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ سعدؒ بن علی الزنجانی مکی سے سوال کیا کہ چار حفاظ جو ایک دوسرے کے معاصر ہیں ان میں احفظ کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تمہاری مراد کیا ہے۔ میں نے کہا۔ دارقطنیؒ بغداد میں، عبدالغنیؒ مصر میں، ابن مندہؒ اصفہان میں اور الحاکمؒ نیساپور میں۔" تو وہ لمحہ بھر خاموش رہے پھر فرمایا۔

■ دارقطنی علل حدیث کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے عبدالغنی انساب میں ابن مندہ احادیث میں اور حاکم تصنیف میں ان سے بہتر ہیں"[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۲۳ ج ۳ [2] ایضاً ص ۲۳۳ ج ۳

لیکن اگر اس بحث کو ذرا وسیع کیا جائے اور بحیثیت مجموعی ان آئمہ کرام کے مراتب و مدارج کو پرکھا جائے تو حقیقت حال کچھ اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ امام حاکمؒ اور ابن مندہؒ کے درمیان جو تفاوت ہے وہ امام دارقطنیؒ کے تبصرہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ رہے حافظ عبد الغنیؒ، تو وہ ان کے خوشہ چین ہیں۔ اور قال استاذی و وسعت استاذی کہتے نظر آتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امام حاکمؒ کا علمی میدان امام دارقطنیؒ کے مقابلہ میں کس قدر وسیع ہے۔ حسن تصنیف جس کا سہرا "الزنجانی" نے امام حاکم کے سر پر دھرا ہے۔ اس کے متعلق جہاں تک تاریخ و سیر میں ان کے تذکرہ کا تعلق ہے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دارقطنیؒ تصنیف کے اعتبار سے بھی امام حاکمؒ سے کسی صورت کم نہ تھے۔

امام دارقطنیؒ کی سنن میں گو ضعیف اور منکر و شاذ وغیرہ روایات آ گئی ہیں لیکن اس کتاب کی وہ حیثیت نہیں جو امام حاکمؒ کی "المستدرک" کو ہے اس میں انہوں نے اگرچہ کافی جانفشانی سے کام لیا ہے۔ تاہم محققین نے ان کی تصحیح پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ علامہ ذہبیؒ تو اس قدر ان سے نالاں ہیں کہ کہیں انہیں جاہل جیسے قبیح الفاظ سے یاد کرتے ہیں[1] اور کہیں یہ کہا ہے کہ حاکم کو ان جیسی احادیث کو صحیح کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتا[2]

---

[1] تلخیص المستدرک ص ۶۱۷ ج ۲ [2] میزان الاعتدال ص ۳۱۹ ج ۳

یہی نہیں بلکہ وہ چونکہ تشیعیت سے متأثر تھے اس لیئے حضرت علی رضؓ کے مناقب میں ایسی روایات نقل کی ہیں جنہیں محدثین نے موضوع کہا ہے۔ اسی بنار پر حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

" ولیتہ لم یصنف المستدرک فانہ غض من فضائلہ بسوء تصرفہ" [۱]

ابن عراقؒ نے تنزیہ الشرعیہ کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے حافظ ذہبیؒ نے المستدرک کی موضوع روایات کو یکجا جمع کیا ہے جو ایک سو سے متجاوز ہیں۔

لہٰذا امام حاکمؒ کے متعلق " الزنجانیؒ" کا یہ تجزیہ کچھ محل نظر ہے۔ اس کے علاوہ امام دارقطنیؒ فنون حدیث کے مبتکر ہیں جن کا متقدمین کے کلام میں تذکرہ تک نہیں ملتا اور ان میں سب سے پہلے مصنف و مؤلف ہونے کا شرف بھی انہی کو حاصل ہے۔ جس کا ذکر آئندہ اوراق میں آرہا ہے۔

علامہ نوویؒ محدثین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" ثم سبعۃ من الحفاظ فی ساقتھم احسنوا التصنیف وعظم النفع بتصانیفھم ابوالحسن الدارقطنی ثم الحاکم ابوعبداللہ النیساپوری ثم ابومحمد عبدالغنی بن سعید" الخ [۲]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۹ ج ۳

[۲] تقریب

علامہ نووی رح کے اس کلام سے تصنیف کے اعتبار سے بھی امام دارقطنی رح کا نام سرفہرست نظر آتا ہے اور یہی بات قرین قیاس اور اقرب الی الدلائل ہے امام حاکم رح کے نزدیک جو مقام و مرتبہ امام دارقطنی رح کا ہے اسے ابوذر رح یوں بیان کرتے ہیں :-

"میں نے حاکم سے پوچھا کیا آپ نے دارقطنی جیسا کسی کو دیکھا ہے ؟ تو فرمایا انہوں نے تو خود اپنی مثل کسی کو نہیں پایا میں نے کیسے دیکھ لیا" [1]

اس سے امام دارقطنی رح کی شخصیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے بلکہ ان کے اس فضل و کمال کا اعتراف تو خود امام دارقطنی کو بھی تھا۔ رجاء رح بن محمد فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے اپنے جیسا کسی صاحب کو دیکھا ہے تو فرمانے لگے۔ قال اللہ تعالےٰ لا تزکوا انفسکم" میں نے عرض کی میرا یہ مقصد نہیں تو پھر فرمایا۔

"ان کان فی فن واحد فقد رایت من هوا فضل وامامن اجتمع فیه ما اجتمع فی فلا" [2]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دارقطنی رح سے گو بعض فنون میں بعض محدثین درجہ کمال رکھتے تھے اور ایسا ہونا بھی یقینی امر ہے۔ لیکن مجموعی اعتبار سے ان کا کوئی بھی ہم پلہ نہ تھا جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۸ ج ۳

[2] ایضاً و تاریخ بغداد ص ۳۵ ج ۱۲

امام دار قطنیؒ کے علم و فضل کا اعتراف

امام دار قطنیؒ کو معاصرین اور محدثین نے جس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اس کا مختصر ذکر مختلف مقامات پر کر آئے ہیں۔ یہاں ہم انہی اقوال کو مع زیادات نقل کرنا مناسب خیال کرتے ہیں:۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں :۔

"دار قطنی حفظ و فہم اور ورع میں یگانہ روزگار تھے اور قراءۃ اور نحو کے امام تھے۔ ان کے متعلق میں نے جو کچھ سنا انہیں اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔" [1]

قاضی ابو الطیبؒ طاہر بن عبد اللہ الطبری فرماتے ہیں :۔

"وہ امیر المومنین فی الحدیث ہے اور بغداد میں ان کے سوا کسی کے علو مرتبت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔" [2]

امام حاکمؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کسی کو دار قطنیؒ جیسا دیکھا ہے تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے کیا خود انہوں نے اپنی مثل کسی کو نہیں دیکھا [3]

حافظ عبد الغنیؒ فرماتے ہیں۔ احادیث رسول پر تین شخص اپنے اپنے زمانہ میں بہترین کلام کرنے والے تھے۔ ابن المدینیؒ۔ موسیٰؒ بن ہارون، دار قطنیؒ [4]

خطیبؒ بغدادی نے ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

کان فرید عصرہ وقریع دھرہ ونسیج وحدہ و

حاشیہ اگلے صفحہ پر

امام وقتہ انتہی الیہ علم الاثر والمعرفۃ بعلل الحدیث واسماء الرجال واحوال الرواۃ مع الصدق والامانۃ والفقہ والعدالۃ وقبول الشھادۃ وصحۃ الاعتقاد وسلامۃ المذھب والاضطلاع بعلوم سوی علم الحدیث منھم القرأت والمعرفۃ لمذاھب الفقہاء" الخ [1]

حافظ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں :-

" الحافظ الکبیر استاذ ھذہ الصناعۃ وقبلہ بمدۃ وبعدہ الی زماننا ھذا سمع الکثیر وجمع و صنف والف واجاد وافاد واحسن النظر والتعلیل والانتقاد وکان فرید عصرہ ونسیج وحدہ و امام دھرہ فی اسماء الرجال وصناعۃ التعلیل والجرح والتعدیل وحسن التصنیف والتالیف واتساع الروایۃ والاطلاع التام فی الدرایۃ" [2]

(حاشیہ صفحہ ۴۵) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۷ ج ۳ طبقات الشافعیہ ص ۳۱۰ ج ۲ [2] تاریخ بغداد ص ۳۷ ج ۱۲

[3] ایضاً ص ۳۶ ج ۱۲ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۱ ج ۳ [4] ایضاً ص ۱۸۹ ج ۳ شذرات الذہب ص ۱۱۶ ج ۳

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] تاریخ بغداد ص ۳۴ ج ۱۲

[2] البدایہ ص ۳۱۷ ج ۱۲

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں۔

وقد اجتمع له معرفة الحديث والعلم بالقرأة والنحو والفقه والشعر مع الامامة والعدالة وصحة العقيدة" [1]

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں۔ کہ حافظ امام دار قطنیؒ پر ختم ہوگیا ہے [2]

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ انہیں رجال کا امام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔ "انکی جرح و تعدیل کو وہی مقام حاصل ہے جو امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، شافعی اور ان جیسے دیگر حضرات کو احکام اور حلت و حرمت کی معرفت میں حاصل تھی [3]

علامہ السبکیؒ فرماتے ہیں :۔

" الحافظ المشهور الاسلام صاحب المصنفات امام زمانه وسيد اهل عصره وشيخ اهل الحديث" [4]

الغرض امام دار قطنیؒ کی شخصیت ابتداء سے آج تک مسلّم ہے۔ ہر دور کے اہل علم نے انہیں بڑے اچھے الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ اور اصحاب سیر و تذکرہ نے کسی صورت انہیں نظر انداز نہیں کیا

امام دار قطنی کا مسلک

بعض لوگوں نے امام دار قطنیؒ کے ان مسائل کے پیش نظر جن میں انہوں نے

---

[1] البدایہ ص ۳۱۷/۱۲ ج [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۱۷ ج ۳

[3] الرد علی البکری ص ۱۳، ۱۴ [4] طبقات الشافعیہ ص ۳۱۰ ج ۲

امام شافعیؒ کی موافقت کی ہے۔ یہ کہا ہے کہ وہ شافعی المسلک تھے۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہیں کسی عالم کا اپنے تفردات کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی رائے سے متفق ہونا اس کے اجتہاد کی نفی کو مستلزم نہیں۔ امام دار قطنیؒ جنہیں بقول حافظ ابن کثیر فقہی مسائل میں اطلاع تام حاصل تھی کے متعلق یہ کیونکر گمان کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مقلد محض تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی رائے اکثر و بیشتر مسائل میں امام شافعیؒ کے موافق تھی۔ اسی لیے ان کا میلان بھی امام شافعی کی طرف تھا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ الدہلوی نے حجۃ اللہ میں لکھا ہے۔

علامہ الجزائریؒ رقمطراز ہیں :-

اما الدارقطنی فانہ یمیل الی مذھب الشافعی الا انہ لہ اجتہاد وکان من ائمۃ السنۃ والحدیث ولم یکن حالہ کحال احد من کبار المحدثین فمن جاء علی اثرہ فالتزم تقلید غامۃ الاقوال الا فی قلیل منہا مما یعد و بحصر فان الدارقطنی کان اقوی فی الاجتہاد منہ وکان افقہ واعلم منہ " ؎

اور یہ حقیقت ہے کہ کسی کی رائے کا امام شافعی کی رائے کے ساتھ

؎ توجیہ النظر ص ۱۸۵

متفق ہونا کوئی عیب کی بات نہیں لیکن بعض احباب نے امام دارقطنیؒ کے ان مسائل کو دیکھ کر جو امام شافعی کے فتوٰی کے مطابق ہیں ان پر انتہائی عامیانہ اعتراضات کئے ہیں۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ وہ شافعی المسلک تھے اور اس کی جا و بے جا حمایت کرتے بلکہ ہر اس حدیث کو ضعیف ٹھہرانے کی کوشش کرتے جو ان کے مسلک کے مخالف ہوتی۔

مولوی عبدالعزیز گوجرانوالوی حاشیہ نصب الرایہ میں لکھتے ہیں

اقول من مارس کتابہ علم انہ قد یتکلم علی هذہ الاحادیث الاحدیثا خالف الشافعی فیظهر عوارہ او وافقہ فیصححہ ان وجد الیہ سبیلا ..... ویظهر طرفہ الموافق لامامہ" الخ ؎

یعنی جس کسی نے ان کی کتاب کو گہری نظر سے دیکھا ہے تو اسے یہ معلوم ہوگا کہ وہ ان احادیث پر کلام کرتے ہیں جو امام شافعیؒ کے مخالف ہوتی ہے اور اگر کوئی روایت ان کے موافق ہوتی ہے تو اس کی صحت پر پوری قوت صرف کر دیتے ہیں۔ اور ان کا یہ طریقہ ہوائے نفس کی بناء پر تھا۔ ایک ثقہ راوی جسے بعض نے ضعیف کہا ہو یا کوئی ضعیف ہو اور اسے بعض نے ثقہ بھی کہا ہو تو ایسی صورت میں اپنے امام کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے موافق پہلو کو ذکر کرتے ہیں بلکہ اکثر شوافع کا یہی معمول رہا ہے" انتہی

؎ حاشیہ نصب الرایہ ص ۸ ج ۲

یہی نہیں مولوی شفیع احمد بہاری تو ان سے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے یوں گویا ہیں کہ

"ان کو شافعیت میں اتنا غلو تھا کہ حمیتِ جاہلیت کا رنگ چڑھا ہوا تھا" [1]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کے یہ اقوال خود "حمیت جاہلیت" کے حامل ہیں۔ امام دار قطنیؒ کا دامن اس قسم کی آلودگیوں سے بالکل صاف ہے سنن دار قطنی میں جہاں انہوں نے امام شافعیؒ کی موافقت کی ہے ساتھ ہی انہوں نے ان کے بعض مستدل پر کڑی نکتہ چینی بھی کی ہے جس کی ایک دو مثالوں کی نشاندہی ہم یہاں ضروری خیال کرتے ہیں۔

(۱) باب ولوغ الکلب فی الاناء" کے تحت امام دار قطنیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے۔

"طھور الاناء اذا ولغ الکلب فیہ یغسل سبع مرات الاولیٰ بالتراب والھرۃ مرۃ او مرتین"

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ھذا صحیح" حالانکہ یہ کسے علم نہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا نجس نہیں اور نہ ہی اس برتن کو دھونے کی ضرورت ہے جس میں بلی نے پانی وغیرہ پیا ہو۔ ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اگر "حمیت مذہب" کا رنگ غالب ہوتا تو

---

[1] مجلہ برہان ماہ جنوری ۱۹۵۳ء

وہ اس روایت کو صحیح قرار نہ دیتے تھے

(۲) اسی طرح سر کے مسح کے متعلق جو روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ سر کا مسح کیا" اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

" اسحاق بن یحییٰ ضعیف "

شروح احادیث اور مذاہب اربعہ کی کتب کا مطالعہ کرنے والا طالب علم اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ یہ حدیث امام شافعیؒ کے مسلک کے موافق ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اسے ضعیف کہہ رہے ہیں۔ کیا حمیت مذہبی اسی کا نام ہے۔؟

پھر اگر امام دارقطنیؒ واقعی شافعیت میں اس حد تک متعصب تھے تو اس سے نہ صرف عدالت و دیانت پر حرف آتا ہے" جس پر علماء سلف و خلف کا اتفاق ہے" بلکہ یہ طریقہ تو ان مبتدعہ فرقوں کی شکل اختیار کر جاتا ہے جنہوں نے اپنے مطلب برآری اور مسلک ہی کی احادیث کو اکثر بیان کیا۔ اور بالآخر یہی صورت وضع حدیث کا سبب بنی تو کیا امام دارقطنیؒ کو بھی ان ہی کے زمرہ میں کھڑا کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

اس کے برعکس صورت حال یہ ہے کہ ان کے کلام کو فن جرح و تعدیل میں ائمہ فن نے وہی مقام دیا ہے جو فقہ میں امام مالکؒ، شافعیؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کے اقوال کو۔ جیسا کہ ابھی ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں اور متاخرین میں حافظ ابن الصلاحؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ ذہبیؒ،

علامہ سخاویؒ اور دیگر ائمہ فن نے انھیں تصحیح و تضعیف میں حجت مانا ہے۔
جیسا کہ یہ بحث آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔
بات اسی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ مزید تعجب یہ کہ مولوی عبدالعزیز
مذکور زور بیان میں یہاں تک فرماگئے۔

" وھذا حال کثیر من الشوافع"

ہاں اگر وہ ذرا اپنے حنفی بھائیوں کے افعال و کردار کی نشان دہی
بھی کردیتے تو یہ بہتر ہوتا کہ انہوں نے اس میدان میں کیا گل کھلائے ہیں
"حمیت جاہلیت" کے پیش نظر کہاں کہاں انہوں نے اپنے مسلک کے مطابق
روایات کو ضعیف کہا ہے اور کہاں صحیح۔ ہم اس کی چند مثالیں ذکر کر کے
فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں اور یہ کہنے پر مجبور بھی ہیں کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

علامہ عینیؒ حنفی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں وہ بھی تو "عمدۃ القاری"
میں متعدد مواقع پر شوافع کے ساتھ اس "جرم" میں شریک نظر آتے ہیں
مثلاً امام شافعیؒ کا یہ مسلک ہے کہ جب امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر کھڑا
ہو تو سامعین کو السلام علیکم کہے۔ اس پر شوافع نے حضرت ابن عمرؓ کی
روایت اور امام شعبیؒ کی مرسل روایت سے استدلال کیا ہے۔ علامہ عینیؒ
اس مرسل روایت پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وان اسندہ احمد من حدیث عبداللہ بن
لہیعۃ فھو معروف فی الضعفاء فلا یحتج

بلہ وقال البیہقی لیس بقوی" ؎۱

یعنی اسے گو امام احمدؒ نے متصل ذکر کیا ہے لیکن اس میں عبداللہ بن لھیعہ ضعیف ہے۔ بیہقی نے کہا ہے وہ قوی نہیں تو اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن آگے چل کر" باب اذا رأی الامام رجلا جاء وھو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین" کے تحت اپنے مسلک کی تائید میں حضرت عقبہ بن عامر کے اس اثر

"الصلوٰۃ والامام علی المنبر معصیۃ"

نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

فان قلت فی سند اثر عقبۃ عبداللہ بن لھیعہ قلت ما لہ وقد قال احمد من کان مثل ابن لھیعۃ بمصر" ؎۲

اسی بحث میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"وثقہ احمد وکفی بہ ذالک" ؎۳

حالانکہ آگے چل کر ساتویں جلد میں پھر ابن لھیعہ کو ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت جسے امام بیہقی نے اس سلسلہ میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے صلوٰۃ کسوف ادا کی

؎۱ عمدۃ القاری ص ۲۲۱ ج ۶ ؎۲ عمدۃ القاری ص ۲۳۵ ج ۶ ؎۳ ایضاً

لیکن میں نے آپ سے نہیں سُنا کہ ایک لفظ بھی پڑھا ہو۔
یہ روایت چونکہ علامہ عینیؒ کے مسلک کے خلاف تھی بنا بریں اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"قلت روی البیھقی ھذا من ثلاث طرق کلھا ضعیفۃ فرواہ من روایۃ ابن لھیعۃ عن یزید بن حبیب عن عکرمۃ عن ابن عباس الخ" [1]

ظاہر ہے کہ اس سند میں ضعیف سے مراد "ابن لھیعہ" ہیں اسی طرح (ص ۹۹ ج ۷) پر بھی انہوں نے ابن لھیعہ کو اپنے شیخ العراقیؒ کے قول سے ضعیف کہا ہے۔
بعینہٖ اسی قسم کا معاملہ انہوں نے محمد بن اسحاق صاحب المغازی سے کیا۔ بحث فاتحہ خلف الامام میں تو واشگاف الفاظ میں اسے ضعیف کہہ دیا۔ لیکن جب حافظ ابن جوزیؒ نے ایسی روایت کو ابن اسحاق کی وجہ سے ضعیف کہا جو مسلک احناف کے موافق تھی تو پیچھے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور یہاں تک فرما دیا۔

"ان ابن اسحاق من الثقات الکبار عند الجمھور" [2]

اس کے علاوہ متعدد ایسے مواضع ہمارے ملتے ہیں جہاں انہوں نے ابن اسحاق کی حدیث کو حسن کہا ہے لیکن ہم بخوف طوالت انہیں نظر انداز

---

[1] عمدۃ القاری ص ۱۲ ج ۷ [2] عمدۃ القاری ص ۲۰۷ ج ۷

کرتے ہیں۔ علامہ لکھنوی رح نے درست فرمایا ہے کہ لو لم یکن فیہ رائحۃ التعصب المذھبی لکان اجود[1]

یہی حالت علامہ ابن ہمام رح کی ہے۔ جو کچھ انہوں نے کہا یا کیا اس سے قطع نظر ہم یہاں علامہ محمد انور شاہ کشمیری رح کا قول ہی ذکر کر دینا کافی خیال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"شیخ ابن ہمام اگرچہ اہلِ طریقت (صوفیوں) سے اور منصف مزاج تھے لیکن کبھی اپنے مذہب کی حمایت کے لیے حدِ اعتدال سے تجاوز بھی کر جاتے تھے"[2]

علامہ کاشمیری رح کے اس قول کی تائید میں ہم چند مثالیں بھی ذکر کرتے لیکن یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے اور اس سلسلہ میں نہ ہی زیادہ تفصیل مناسب خیال کرتے ہیں۔ دکھانا صرف یہ مقصود تھا کہ کیا حنفیوں کا یہ طریق رہا ہے کہ وہ "مذہبی حمیت" کے جوش میں احادیث کو صحیح و ضعیف کہا کرتے تھے یا اس "جرم" میں خود ائمہ حنفیہ ان سے کہیں بازی لے گئے ہیں؟ حیرت ہوتی ہے کہ جن کی امانت و دیانت پر حفاظ حدیث اور اصحاب الطبقات والسیر کا اتفاق ہوا ان پر اس قسم کے بے بنیاد الزامات دھرتے ہوئے ان لوگوں کو کچھ بھی خدا کا خوف نہیں آتا۔ کہنے والے نے بالکل صحیح کہا ہے

"دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی ہمیشہ شہتیر نظر آتا ہے۔"

امام دارقطنی رح کا شافعیت میں غلو کے سلسلہ میں ایک بات یہ بھی

---

[1] فوائد البہیہ ص ۸۶

[2] فیض الباری ص ۱۰۷ ج ۱

کہی جاتی ہے کہ جب وہ مصر گئے تو بعض لوگوں کے کہنے پر انہوں نے جہری نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کے ثبوت میں ایک رسالہ لکھا۔ جب اس کی حدیثوں کی صحت کے متعلق مالکیہ نے قسم دلاکر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں کوئی مرفوع روایت تو ثابت نہیں البتہ صحابہ کرام کے بعض آثار ملتے ہیں جن میں سے بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں [1]۔

یہی واقعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے ایک فتویٰ میں ذکر کیا ہے لیکن اس میں قسم دلانے کا ذکر نہیں۔

امام دارقطنیؒ کے اس اسلوب سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر ضعیف روایتیں جمع کیں جن سے ان کا مقصد محض اپنے فقہی مسلک کو مؤید کرنا تھا اور بس۔

لیکن اس مفروضے کی تردید حافظ ابن تیمیہؒ کے اس قول سے ہو جاتی ہے جو انہوں نے ایک فتویٰ میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"او یروی بیما من جمع ھذا الباب کالدارقطنی والخطیب وغیرھما فانھم جمعوا ماروی"

یعنی جہر بسم اللہ کی احادیث کا احاطہ دارقطنی اور خطیب نے کیا ہے۔ جنہوں نے اس باب میں تمام روایات کو جمع کر دیا ہے جس سے

---

[1] نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۵۸

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اس باب کی روایتوں کو جمع کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور اس کی وہی حیثیت ہے جو امام نسائی کے رسالہ "مناقب علیؓ" کی ہے جس میں انہوں نے حسن، ضعیف بلکہ منکر د موضوع روایات کو بھی جمع کر دیا ہے جس کی بنا پر بعض تذکرہ نویسوں نے انہیں شیعیت سے بھی متہم کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک فقہی مسئلہ پر سب روایتوں کو ایک کتابچہ کی شکل میں جمع کر دینے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس محدث کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کی مثال امام نسائیؒ کی کتاب "المناسک" کی ہے جس میں انہوں نے امام شافعیؒ کے ادلہ کو جمع کیا ہے۔ لیکن علامہ کاشمیریؒ مرحوم نے اس کے باوجود فیض الباری میں انہیں حنبلی بتلایا ہے۔ لہذا جب وہ کتاب "المناسک" لکھنے کے باوجود حنبلی تھے تو امام دارقطنیؒ "کتاب الجہر ببسم اللہ" سے شافعی کیونکر قرار پائے؟ خصوصاً جبکہ انہوں نے اس قسم کی جملہ روایات کے ضعیف ہونے کی صراحت بھی کر دی ہے بلکہ "سنن" میں تو اس مسئلہ میں جہر بسملہ کی روایات کے ضعف کی تصریح کے ساتھ ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث :-

"انی قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین فنصفها له یقول عبدی اذا افتتح الصلوٰۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ بسم اللہ کے ذکر کرنے میں "عبداللہ

بن زیاد بن سمعان" منفرد ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ ثقات میں سے امام مالکؒ، ابن جریجؒ، روحؒ بن قاسم، ابن عیینۃؒ، ابن عجلانؒ، الحسنؒ بن الحر، ابو اویسؒ وغیرہ نے العلاء سے بالاتفاق بسم اللہ کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ پھر فرماتے ہیں۔

"واتفاقھم علی خلاف ما رواہ ابن سمعان اولی بالصواب"[1]

اہل علم حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ امام دارقطنیؒ یہاں اس روایت کو صحیح قرار دے رہے ہیں جس سے حنفی مکتب فکر کی پُرزور تائید ہوتی ہے۔ علامہ زیلعیؒ حنفی نے اسی روایت کو آہستہ بسم اللہ پڑھنے پر نص صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے

"ھذا قاطع تعلق المتنازعین وھو نص لایحتمل التاویل ولا اعلم حدیثا فی سقوط البسملۃ ابین فیہ"[2]

یعنی یہ حدیث بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے لئے سب سے بڑی واضح دلیل ہے۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ امام دارقطنیؒ کی اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی وہ شافعیت کے ساتھ غلو رکھتے تھے؟ جیسا کہ کہا گیا یا سمجھا گیا ہے۔ قطعاً نہیں بلکہ وہ مجتہد تھے جیسا کہ علامہ الجزائری کے بیان میں آپ پڑھ آئے ہیں۔

---

[1] سنن دارقطنی ص

[2] نصب الرایہ ص ۳۳۹ ج ۱

امام دارقطنیؒ اور امام ابوحنیفہؒ

امام دارقطنیؒ پر جس قدر اعتراضات کیے گئے ہیں

دراصل اس کا سبب ان کی وہ جرح ہے جو انہوں نے حدیث" من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراۃ" کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"لم یسندہ عن موسیٰ بن ابی عائشۃ غیر ابی حنیفۃ والحسن بن عمارۃ وھما ضعیفان" [1]

امام دارقطنیؒ کی اس جرح سے علامہ عینیؒ تو اس قدر برہم ہوئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی "حمیت" میں امام دارقطنیؒ کو ہی ضعیف بنانے کا شوق ظاہر فرمایا۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں۔

"لو تادب الدارقطنیؒ واستحیٰ لما تلفظ بھذہ اللفظۃ فی حق ابی حنیفۃؒ و بتضعیفہ ایاہ یستحق ھو تضعیف" [2]

اسی طرح "البنایہ شرح ھدایہ" میں لکھتے ہیں۔

"ومن این لہ تضعیف ابی حنیفۃؒ وھو مستحق للتضعیف" [3]

یعنی امام دارقطنیؒ کو ایسا کہنے سے حیا کرنا چاہیے تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف کرنے والے کو خود ضعیف قرار دینا چاہیے۔

---

[1] سنن دارقطنی ص ۱۲۳ ج ۱ [2] عمدۃ القاری ص ۱۲ ج ۶ [3] مقدمۃ التعلیق الممجد ص ۳۴

علامہ عینی کے بعد متاخرین حنفیہ نے ان کے اس قول کو بنیاد قرار دے کر امام دارقطنی کے حق میں وہ کلمات استعمال کئے جو حدیث کا ادنیٰ طالبعلم کے لئے بھی مناسب نہیں چہ جائیکہ امام موصوف کی شخصیت کے حق میں اس قسم کی یاوہ گوئی کی جائے۔ اگر امام دارقطنی صرف اس بنا پر ضعیف ہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کو ضعیف کہا ہے تو اس "جرم" میں وہ منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ دیگر ائمہ جرح و تعدیل بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔ جن میں امام بخاری اور امام نسائی سرفہرست ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔

"النعمان بن ثابت ابو حنیفہ مولی بنی تمیم ......

.... کان مرجیا سکتوا عن رایه وحدیثه" [1]

امام بخاری کی یہ جرح جس قدر سخت ہے اس کا اندازہ علامہ عراقی کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"فیه نظر و فلان سکتوا عنه هاتان العبارتان یقولهما البخاری فیمن ترکوا حدیثه" [2]

اسی طرح علامہ ذہبی نے عبداللہ بن داود الواسطی کے ترجمہ میں بھی اس امر کی صراحت کی ہے۔ علامہ سخاوی رقمطراز ہیں۔

"وکثیرا ما یعبر البخاری بهاتین العبارتین ...

.... فیمن ترکوا حدیثه" [3]

---

[1] التاریخ الکبیر ص ۸۱ ج ۴ ق ۲ [2] فتح المغیث العراقی ص ۱۲ ج ۲
[3] فتح المغیث السخاوی ص ۱۶۱

بھی فیہ نظر اور سکتوا عنہ کے الفاظ امام بخاریؒ ایسے راوی کے حق میں استعمال کرتے ہیں جس کی حدیث کو محدثین نے چھوڑ دیا ہو۔

اسی طرح امام نسائیؒ نے کتاب الضعفاء میں امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ دو جگہ پر کیا ہے۔ پہلے تو صرف "لیس بالقوی" پر اکتفا کی ہے لیکن آگے چل کر فرماتے ہیں۔

▪ ابوحنیفہؒ لیس بالقوی فی الحدیث وھو کثیر الغلط والخطاء علی قلۃ روایتہ " [1]

ان کے علاوہ امام علی بن المدینیؒ۔ ابن عدیؒ۔ ابن القطانؒ۔ حمیدیؒ العقیلیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی امام ابوحنیفہؒ کو ضعیف کہا ہے۔ اس بحث کی نہ تفصیل مقصود ہے اور نہ ہی یہاں ایسا مناسب ہے۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ امام دارقطنیؒ کی طرح دیگر محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل نے بھی امام ابوحنیفہؒ کو ضعیف کہا ہے۔ اگر امام دارقطنیؒ صرف اس بنا پر قابل تضعیف ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کو ضعیف کہا ہے تو وہ اکیلے اس "جرم" کے مرتکب نہیں بلکہ امام بخاریؒ اور دیگر محدثین بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔ تو کیا وہ بھی بقول علامہ عینیؒ "مستحق ضعف" ہیں ؟

علامہ کاشمیریؒ نے امام ابوحنیفہؒ پر کلام کرنے والوں کے متعلق جو تیرہ

---

[1] کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۵۷

اختیار کیا ہے وہ اس سے کہیں تعجب خیز ہے۔ فرماتے ہیں۔

"لم ار محدثا فقیہا او فقیہا فقط یقدح فی
ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی نعم من کان منھم
محدثا فقط فانہ جرح علیہ" [1]

یعنی کسی محدث فقیہ یا صرف فقیہ نے امام ابو حنیفہ پر جرح نہیں کی ہے ہاں جو صرف محدث ہیں انہوں نے البتہ امام صاحب پر جرح کی ہے۔" گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن محدثین نے امام صاحب کی توثیق کی ہے وہ فقیہ تھے اور جنہوں نے جرح کی ہے وہ صرف محدث تھے اور درجہ فقاہت انہیں میسر نہیں۔ حالانکہ یہ "معیار" اس قدر بے جان اور بودا ہے کہ اس کی تردید کی ہم چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ علامہ کاشمیری پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو وہ امام بخاری کو مجتہد مانتے ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں :۔

"واعلم ان البخاری مجتہد لاریب فیہ" [2]

اور دوسری طرف فرماتے ہیں "جنہوں نے امام صاحب پر جرح کی ہے وہ صرف محدث ہیں" کیا یہاں ان پر "حمیت جاہلیت" کا رنگ تو نظر نہیں آتا؟ اور کیا "حمیت مذہبی" کے پیش نظر انہوں نے جادۂ اعتدال سے تجاوز کرتے ہوئے اصل حقیقت کو نظر انداز تو نہیں کیا؟

---

[1] فیض الباری ص ۱۶۹/۱۷۰ ج ۱ [2] مقدمہ فیض الباری ص ۵۸

رہا امام دار قطنیؒ کا مجتہد اور فقیہ ہونا تو اس کا ثبوت ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں جس کا اعادہ یقیناً طوالت کا باعث ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے سلسلہ میں رجال وغیرہ کی کتابوں کے مطالعہ سے جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ امام صاحب گو فقہ میں مسلّم امام تھے۔ ورع و تقویٰ کے لحاظ سے ان کا مقام بہت بلند تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ حدیث کے فن سے ان کا لگاؤ کم تھا اور حفظ حدیث کے لئے جس قدر غیر معمولی ضبط کی ضرورت تھی۔ اس میں بھی کمی تھی۔ (انہوں نے زیادہ سے زیادہ احکامی روایات کو زیر نظر رکھا جو ایک مجتہد کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہیں) جس کی وجہ سے محدثین نے ان سے اغماض کیا اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ محدثین دینی حمیت کی بنا پر حدیث میں ادنیٰ مسامحت بھی برداشت نہیں کرتے تھے جس کا اندازہ امام شعبیؒ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"واللہ لو اصبت تسعا وتسعين مرة واخطأت مرة لاعدوا علی تلك الواحدة" [1]

اس لحاظ سے ان کے یہ بے لاگ تبصرے قابل ستائش ہیں کہ بڑے سے بڑے امام کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ بھی ان کی اس حق پسندی و حق گوئی کے مانع نہ بن سکا۔ اور ان کے ان اکابرین کی معمولی غفلت و

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۷۷ ج ۱

تساہل کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ جس بات کو بھی وہ حق جانتے اور درست خیال کرتے، دیانتداری و ایمانداری سے اسے بیان کردیتے۔ حد یہ کہ اگر اس قسم کی کوتاہی کا مرتکب ان کا باپ یا بھائی بھی ہوتا تو وہ اسے بھی معاف نہ کرتے۔ چنانچہ امام علیؒ بن المدینی اپنے والد عبداللہ بن جعفر کے متعلق فرمایا کرتے۔ میرا باپ ضعیف ہے[1] اور محمدؒ بن ابی السری اپنے بھائی الحسین کے متعلق فرماتے۔

"لاتکتبوا عن اخی فانہ کذاب"[2]

اسی طرح ابوعروبہؒ حسین مذکور کے متعلق فرماتے :۔

"کذاب ھو خال امی "[3]

جس سے ان کی دینی حمیت اور غیرت ایمانی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے بایں وجہ امام دار قطنیؒ یا دیگر محدثین رحمہم اللہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ انہیں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ عناد تھا ہرگز ہرگز درست نہیں۔

سنن دار قطنی اور دیگر تصانیف — تیسری صدی کی حدیث

ترتیب و تدوین کے اعتبار سے نہایت مبارک و مسعود صدی ہے۔ اس سے قبل حدیث میں جس قدر کتابیں تالیف ہوئیں ان میں مرفوع روایات کو فتاوی، آثار و اقوال اور موقوف روایات سے الگ طور پر جمع نہیں

---

[1] میزان الاعتدال ص ۲۷ ج ۲ [2] و [3] تہذیب التہذیب ص ۲۶۶ ج ۲

کیا گیا تھا۔ اس دور میں تصنیف و تالیف نے ایک نئی راہ اختیار کی یعنی یہ کہ صرف مسند اور مرفوع روایات کو الگ جمع کیا جانے لگا جس سے مسانید وجود میں آئیں۔ مسند ابو داؤد طیالسی، مسند مسدد بن مسرھد۔ مسند اسد بن موسیٰ اور مسند احمد وغیرہ اسی دور کی تصانیف ہیں۔

تاہم صحیح اور ضعیف روایات کو باہم ممازنہ کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان سے استفادہ نہایت مشکل قرار پایا۔ جب اس کمی کو محسوس کیا گیا تو بعض محدثین کے مشورہ و اشارہ سے امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" کو مرتب کیا۔ انہی کی اقتدار میں امام مسلم نے بھی صحیح احادیث کو یکجا جمع کیا۔ اور ان کے علاوہ بعض دیگر محدثین نے ایسی کتابیں تالیف کیں جن میں فقہی ترتیب کو ملحوظ رکھا جن سے استفادہ آسان ہوا۔ اور وہ کمی زائل ہو گئی جسے پہلے محسوس کیا جاتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں ارباب علم نے بھی یہی راہ اختیار کی لیکن ان کی کاوش زیادہ تر جمع احادیث پر منحصر تھی۔ اس صدی کی مشہور کتابیں معاجم طبرانی۔ المستدرک وغیرہ ہیں۔ امام دارقطنیؒ کی "سنن" بھی اسی سلسلہ کی ایک نہایت قابل قدر کڑی ہے۔ ان کی کتاب کو شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے گو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے لیکن اس درجہ کی دوسری کتابوں سے "سنن دارقطنی" کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور اس میں اگرچہ ضعیف، شاذ اور منکر روایات پائی جاتی ہیں لیکن اکثر مقامات پر ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے "سنن" میں بجائے نقص کے خوبی پیدا ہو گئی ہے

علمائے فن نے حسن حدیث کی معرفت کے لئے اسے معیار قرار دیا ہے چنانچہ حافظ ابن الصلاحؒ اور علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں :

"ومن مظان الحسن سنن الدارقطنی فانه نص علی کثیر منه" [1]

حاجی خلیفہؒ نے حدیث کی صحیح کتابوں میں سنن دارقطنی کو بھی شمار کیا ہے، فرماتے ہیں :-

"ان السلف والخلف قد اطبقوا علی ان اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ البخاری ثم مسلم ثم الموطا ثم بقیة الکتب الستة وھی سنن ابی داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارقطنی" الخ [2]

بالکل اسی قسم کا خیال طاش کبریٰ زادہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ علامہ نوویؒ "التقریب" میں صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ صحیح احادیث کا معیار ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"جب کوئی قابلِ اعتماد مصنف یا قابلِ اعتماد تصنیف میں اس کی صحت کی تصحیح کردی گئی ہو تو وہ حدیث صحیح ہو گی"

---

[1] تدریب الراوی ص ۹۸

[2] کشف الظنون

اس کے بعد مصنف تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے سنن دارقطنی کو بھی ان میں شمار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"کسنن ابی داؤد والترمذی والنسائی وابن خزیمۃ والدارقطنی والحاکم والبیھقی وغیرھما منصوصاً علی صحتہ" [1]

اسی طرح حافظ ابن الصلاحؒ نے اصحاب کتب خمسہ کی وفیات ذکر کرنے کے بعد ان حفاظ حدیث کی وفیات ذکر کی ہیں جن کی کتابوں کو بنظر تحسین دیکھا گیا ان میں بھی امام دارقطنیؒ کا نام سرفہرست مذکور ہے۔ فرماتے ہیں:

"وسبعۃ من الحفاظ فی ساقتھم احسنوا التصنیف وعظم الانتفاع بتصانیفھم فی اعصارنا" [2]

اسی طرح علامہ عراقیؒ نے شرح الفیہ میں انہی سات حفاظ حدیث جن کی کتابوں کو مستحسن قرار دیا گیا ہے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے

وفی ھذہ الابیات وفیات اصحاب التصانیف الحسنۃ بعد الخمسۃ المذکورین [3]

جس سے سنن دارقطنی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ اس دور کی قیمتی کتابوں میں شمار ہوتی تھی۔ جس نے عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کی

---

[1] تقریب مع التدریب ص ۵۸ [2] مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۴۸

[3] فتح المغیث عراقی ص ۱۴۹ ج ۴

کسی بھی بڑے مصنف کی تصانیف کی اہمیت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ اہلِ علم نے اس کی تصانیف کو کہاں تک قابلِ اعتنا قرار دیا ہے۔ اور کس حد تک ان کی شروح و تعلیقات وغیرہ لکھی ہیں۔ اس اعتبار سے بھی امام دارقطنی کی تصانیف کو کوئی کم حیثیت حاصل نہیں۔ سنن دارقطنی ہی لیجئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "اتحاف المہرہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں دس کتابوں کے اطراف ذکر کئے ہیں۔ ان میں سنن دارقطنی کو بھی شامل کیا ہے بقیہ کتب کے نام یہ ہیں:-

موطا مالک۔ مسند شافعیؒ۔ مسند احمد۔ سنن دارمی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان مستخرج ابوعوانہ۔ مستدرک حاکم۔ منتقی ابن جارود۔ شرح معانی الآثار۔

یوں تو یہ کل گیارہ کتابیں ہو جاتی ہیں لیکن چونکہ حافظ ابن حجرؒ کے پاس ابن خزیمہ کا مکمل نسخہ نہ تھا۔ علامہ الکتانیؒ کی تصریح کے مطابق اس کا ایک ربع ہی ان کے پاس تھا۔ بایں وجہ انہوں نے دس ہی کا اعتبار کیا ہے علامہ عراقیؒ نے سنن دارقطنی کے رجال پر مستقل کتاب لکھی، جو تہذیب الکمال کے رجال کے علاوہ ہیں[1] قاسم بن قطلوبغا م ۸۷۹ھ نے بھی رجال کتب عشرہ میں سنن دارقطنی کو شامل کیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن الملقنؒ نے جن چھ کتابوں کے رجال پر کام کیا ہے ان میں سنن دارقطنی بھی ہے[2] اور ابواسحاق المزکیؒ نے سنن کی تخریج کی ہے[3]

---

[1] لحظ الالحاظ ص ۲۳۳ [2] ایضاً ص ۲۰۰۔ وہ چھ کتابیں یہ ہیں۔ مسند احمد ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ مستدرک حاکم۔ البیہقی۔ ۱۲۰ [3] نیل الاوطار ص ۲۰۵ ج ۱ باب ما اذا یقال اذا فرغ من الوضوء۔

علامہ سیوطیؒ نے "جامع صغیر" میں جن کتابوں کی احادیث کی تخریج کی ہے ان میں سنن دار قطنی کو بھی اپنا ماخذ بنایا ہے۔ اور اس کی علامت "قط" بتلائی ہے۔ اور حافظ سخاویؒ نے اس کی رباعیات کو جمع کیا ہے[1]

الغرض طبقہ ثالثہ کی کتابوں میں جس سے جو کام امام دار قطنیؒ کی سنن پر ہوا وہ شاذ و نادر ہی کسی اور کتاب پر ہوا ہوگا جس سے اس کی اہمیت وافادیت کا پتہ چلتا ہے۔

سنن دار قطنی اور اس کے ناقدین

جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ سنن دار قطنی کو طبقہ ثالثہ کی کتابوں میں شمار کیا گیا ہے اور بتصریح شاہ عبدالعزیزؒ طبقہ ثالثہ میں ان کتابوں کا شمار ہوتا ہے۔ جن میں شاذ، منکر اور غریب روایات پائی جاتی ہیں۔

بنا بریں امام دار قطنیؒ کو موجب طعن قرار دینے والوں نے ایک وجہ یہ بھی نکالی ہے۔ کہ انہوں نے "سنن" میں شاذ اور منکر روایتیں نقل کی چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔

" ومن این لہ تضعیف ابی حنیفۃ وھو مستحق للتضعیف فانہ روی فی مسندہ احادیث سقیمۃ ومعلولۃ ومنکرۃ وغریبۃ وموضوعۃ" [2]

---

[1] فتح المغیث
[2] مقدمۃ التعلیق الممجد ص ۳۴

" سنن " کے متعلق بالکل اسی طرح کے الفاظ الکتانی ؒ نے الرسالۃ المستطرفہ میں اور علامہ زیلعی ؒ نے التنقیح سے نقل کئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں

" والدارقطنی فقد ملاء کتابہ من الاحادیث الغریبۃ والشاذۃ والمعللۃ وکم فیہ من حدیث لایوجد فی غیرہ [1]

جس کا مقصد یہ ہے کہ امام دارقطنی ؒ نے " سنن " میں غریب، شاذ معلول، ضعیف، منکر بلکہ موضوع روایات کو بھی جمع کر دیا ہے۔ لیکن ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں، حافظ ابن الصلاح ؒ وغیرہ نے سنن کو حسن حدیث کے مظان میں سے شمار کیا ہے اور سنن دارقطنی میں جس قدر ضعیف یا منکر و معلول روایات ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کی وجہ ضعف کو بیان کر دیا ہے لہٰذا وہ موجب طعن قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ پھر ہم یہ بھی ذکر کر آئے ہیں کہ اس دور کے آئمہ حدیث نے صحت و سقم کا لحاظ نہیں رکھا۔ بلکہ ان کا مقصد صرف ذخیرہ احادیث کو جمع کرنا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اگر امام دارقطنی ؒ پھر بھی موجب طعن ہیں جیسا کہ علامہ عینی ؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے تو امام طحاوی ؒ کے متعلق ان کی رائے کیا ہے۔ جن کی " شرح معانی الآثار " بھی طبقہ ثالثہ کی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ امام طبرانی ؒ کی معاجم تو ہیں ہی مجموعہ غرائب و مناکیر تو کیا اس وجہ سے انہیں

---

[1] نصب الرایہ ص ۳۶۰ ج ۱

بھی ضعیف کہا جائے گا؟

رجال و سیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ امام دارقطنیؒ پر جو الزام علامہ عینیؒ وغیرہ نے عاید کیا ہے۔ متقدمین سے اس قسم کا اعتراض کہیں منقول نہیں ہے۔ اس کے برعکس امام طبرانیؒ پر ان کی معاجم کی وجہ سے یہ اعتراض کیا گیا لیکن علماء نے اس کی طرف التفات تک نہ کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:۔

عاب علیه اسماعیل بن محمد بن الفضل التمیمی جمعه الاحادیث بالافراد مع ما فیه من النکارۃ الشدیدۃ والموضوعات"

تو کیا امام طبرانیؒ کو بھی اس بناء پر ضعیف کہا جائے گا کہ انہوں نے منکر و موضوع روایات جمع کر دی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ انہوں نے صحت کا التزام نہیں کیا۔ ان کا مقصد صرف احادیث کو جمع کر دینا تھا چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"هذا امر لا یختص به الطبرانی فلا معنی لافراده الیوم بل اکثر المحدثین فی الاعصار الماضیة من سنة مائتین وهلم جرا اذا ساقوا الحدیث باسناده اعتقدوا انهم برؤا من عهدته والله اعلم"[1]

---

[1] لسان المیزان ص ۷۵ ج ۳

یعنی یہ بات امام طبرانی ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ دوسری صدی ہجری سے اکثر محدثین نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب وہ حدیث کو سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تو اس طرح خود کو ذمہ داری سے سبکدوش کر لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اس بات کو باعث طعن نہیں بنایا بلکہ اس کے باوجود حافظ عبد الغنیؒ، امام حاکمؒ، خطیب بغدادیؒ، سمعانیؒ، ابن اثیرؒ، علامہ نوویؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ نے امام دارقطنیؒ کی توثیق کی ہے۔

علاوہ ازیں خود علامہ عینیؒ نے "سنن دارقطنی" کو کتب معتمدہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"رواہ ایضا احمد فی مسندہ والدارقطنی وابن حبان والبیہقی ولم یبق من اصحاب الکتب المعتمد علیہا من لم یخرجہ سوی مالک فانہ لم یخرجہ فی مؤطہ" [1]

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موصوف خود بھی سنن دارقطنی کو کتب معتمدہ میں شمار کرتے ہیں اور "البنایہ" میں بحث فاتحہ کے تحت جو اس پر تنقید کی ہے اس کا سبب بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ امام دارقطنیؒ

---

[1] عمدۃ القاری ص ۲۳ ج ۱

نے حدیث "من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ" کو امام ابو حنیفہؒ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے جس سے ناظرین خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ان کا یہاں یہ تجزیہ و تبصرہ کہاں تک مبنی بر صداقت ہے۔

سنن دار قطنی اور اس کے نسخے

امام دار قطنیؒ سے سنن کو روایت کرنے والے اگرچہ ان کے متعدد تلامذہ ہیں لیکن اس کا سلسلہ سند جن حضرات سے قائم ہے وُہ تین ہیں:۔

۱۔ ابو بکرؒ محمد بن عبدالملک بن بشران

۲۔ ابو طاہرؒ محمد بن احمد بن محمد

۳۔ ابو بکرؒ احمد بن محمد بن احمد البرقانی

ان کے علاوہ "سنن دار قطنی" گو ابو منصورؒ محمد بن محمد السوقانی، ابو الطیب طاہرؒ بن عبداللہ الطبری۔ ابو الحسن محمدؒ بن علی بن عبداللہ المہتدی باللہ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ لیکن زیادہ تر وہی نسخے مشہور ہیں جو پہلے تین حضرات سے منقول ہیں۔ ان تینوں نسخوں میں گو اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اصولاً ان میں کوئی فرق نہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی ان تینوں نسخوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"و در میان ایں ہر سہ نسخہ تفاوت و اختلاف واقع است اما در تقدیم و تاخیر و زیادت و نقصان در نسبت بعض رواۃ و در الفاظ نیز اما در اصل حدیث ہیچ اختلاف

نیست۔ احادیث در ہر نسخہ ازیں نسخہ سہ گانہ
بالاستیفا مذکور اند مگر کتاب السبق کہ در روایت ابن
عبدالرحیم موجود نیست"[1]

ہندوستان میں جو نسخہ رائج ہے وہ ابن بشران کا روایت کردہ ہے
حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی مولف عون المعبود رحمہ اللہ تعالےٰ کی
محنت وکاوش سے یہ نسخہ منصۂ شہود پر آیا۔ خود ان کے پاس بھی ایک قلمی
نسخہ موجود تھا۔ دوسرا نسخہ شیخ عبدالغنی محدث کا مصححہ جناب مولانا
سید نواب صدیق الحسن خان صاحب سے مل گیا۔ اور ایک تیسرا نسخہ مولانا
رفیع الدین صاحب بہاری سے ملا جو اگرچہ ناقص تھا لیکن تھا بہت قدیم
اور صحیح۔ جس کی قدر وقیمت کا اندازہ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس پر
بائیس حفاظ و محدثین کے دستخط تھے۔ جن میں حافظ ابوالحجاج دمشقی،
عبدالمومن بن خلف دمیاطی۔ عبدالرحیم بن حسین زین الدین عراقی۔ حافظ
ابن حجر شیخ عبیداللہ بن عمر البجمی۔ شیخ صالح الفلانی جیسے اساطین حدیث بھی
شامل ہیں[2]

مولانا ڈیانوی نے اپنے نسخہ کا ان کے ساتھ مقابلہ پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ
کتب اطراف وتخریج وغیرہ کی مدد سے بھی متن کی تصحیح کی کوشش کی اور ساتھ
ہی ایک مختصر مگر مفید حاشیہ بھی تحریر فرمایا جو "التعلیق المغنی" کے

---

[1] بستان المحدثین ص ۸۴ [2] اشتہار کتب نادرہ جو کہ سنن دارقطنی کے آخر میں ہے

نام سے طبع ہے

التعلیق المغنی کے علاوہ محدث ڈیانوی نے دو درجن سے زاید مختلف اہم مباحث پر کتابیں لکھیں جن میں غایۃ المقصود" عون المعبود، شرح سنن ابی داؤد' اور' اعلام اھل الاثر باحکام رکعتی الفجر' ان کا شاہکار مانا جاتا ہے۔

فایدہ | محدث ڈیانوی پر ایک مستقل مقالہ تیار ہو چکا ہے۔ جو آیندہ کسی وقت میں ہدیۂ ناظرین ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

"سنن دارقطنی" پر ایک نظر

امام دارقطنی نے اپنی سنن میں کم وبیش ۴۵۳۵ احادیث ذکر کی ہیں جنہیں پچیس کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور سب سے پہلے اپنی سنن کو کتاب الطہارت سے شروع کیا ہے۔

حدیث کے ذکر کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اولاً ایک حدیث کے تمام طرق جمع کر دیتے ہیں۔ پھر متن ذکر کرنے کے بعد اس کی سند پر کلام کرتے ہیں۔ اگر کوئی راوی ضعیف ہوتا ہے تو اس پر جرح کرتے ہیں۔ یا پھر اسے حسن یا صحیح قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور علت ہوتی ہے تو اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔

امام دارقطنی کی سنن کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ علمائے فن نے اسے حدیث حسن کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ حدیث حسن کی تصریح یا تو امام بخاری اور امام احمد کے متفرق اقوال میں ملتی ہے یا پھر جامع ترمذی میں ہے

لیکن چونکہ اس کے نسخے مختلف ہیں، بنابریں صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چل سکتا اِلاّ یہ کہ کوئی صحیح نسخہ مِل جائے۔ حافظ ابن الصلاحؒ اسی اختلاف نسخ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

وتختلف النسخ من کتاب الترمذی فی قولہ هذا حدیث حسن او حدیث حسن صحیح ونحو ذلک فینبغی ان تصحح اصلک بہ بجماعۃ اصول وتعتمد علی ما اتفقت علیہ" ۱؎

شیخ احمد شاکرؒ نے اسی الجھن کو رفع کرنے کے لئے جامع ترمذی کے چھ مختلف نسخوں کو جن میں تین خطی تھے جمع کرکے ایک صحیح ترین نسخہ تیار کرنے کی کوشش کی۔ مگر ابھی وہ کتاب الصلوٰۃ ہی مکمل کر پائے تھے کہ جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور یوں یہ کام ادھورا رہ گیا۔ اس کی تکمیل کی کوشش گو شیخ محمد فواد عبدالباقی اور شیخ ابراہیم عطوہ نے کی۔ لیکن تصحیح متن کا وہ التزام جو شیخ شاکرؒ کے مرہون منت تھا، نہ ہو سکا۔ اور اگر اسی نوعیت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا تو یقیناً اسے جامع ترمذی کا صحیح نسخہ قرار دیا جاتا۔ جامع ترمذی کے علاوہ سنن ابی داؤد، سنن نسائی کو بھی اگرچہ مظان حسن سے شمار کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے کلام میں یہ جملہ کہیں لکھنے پڑھنے میں نہیں آیا۔ اس کے علاوہ سنن دارقطنی ہی ایک ایسی کتاب

۱؎ مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۲

ہے کہ اس میں دار قطنیؒ اکثر مقامات پر یہ تصریح فرما دیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ جیسا حافظ ابن الصلاحؒ نے مقدمہ میں تصریح کی ہے۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ بستان المحدثین میں فرماتے ہیں کہ امام دار قطنیؒ کی سند کو بلند کرنے والی سند خماسی ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فنی اعتبار سے اس کی حیثیت بھی ذکر کرتے ہیں۔ جن کی چند امثلہ درج ذیل ہیں۔

مرسل کی مثال سنن ص ۱۹۵ میں ایک جگہ امام دار قطنیؒ نے ایک حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے۔

”حدثنا ابوبکر عبد اللّٰہ بن سلیمان بن الاشعث ثنا محمود بن آدم ثنا الفضل بن موسیٰ ثنا عبد اللّٰہ بن سعید بن ابی ھند عن ثور بن یزید عن عکرمۃ عن ابن عباس قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یلتفت فی صلاتہ یمینا وشمالا لا یلوی عنقہ خلف ظہرہ“

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

”فضلؒ بن موسیٰ اسے متصل ذکر کرنے میں منفرد ہیں۔ اور اس کے دوسرے ساتھی عبد اللہؒ بن سعید اسے مرسل بیان کرتے ہیں“

چنانچہ اس کے بعد انہوں نے یہی روایت بواسطہ ”وکیع ثنا عبد اللّٰہ بن سعید بن ابی ھند عن رجل من اصحاب عکرمۃ قال کان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" الحدیث ذکر کی ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ "فضل بن موسیٰ" کے دوسرے رفیق امام وکیعؒ نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ سلسلہ سند تبع تابعی تک ہی بیان کیا ہے۔

فائدہ :۔ اصول حدیث کا طالب علم اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ حدیث مرسل اور منقطع میں فرق ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ روایت عکرمہ کے شاگرد ثور بن یزید سے مروی ہے۔ اور وہ تبع تابعی ہیں تو یہ روایت مرسل نہیں بلکہ منقطع ٹھہری امام دارقطنیؒ کا اسے مرسل کہنا کیونکر صحیح ہے اس کا جواب یہ ہے کہ منقطع اور مرسل کا یہ فرق اکثر آئمہ اصول کے نزدیک اگرچہ درست ہے لیکن بعض محدثین اسے ایک ہی معنی پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ نے صراحت کی ہے۔ امام دارقطنیؒ کا شمار بھی ان ہی اصحاب فکر میں ہوتا ہے۔ مولانا محمد حسینؒ ہزاروی علامہ نوویؒ سے نقل فرماتے ہیں۔

"وبلحاظ ہمیں معنی ابوزرعۃ رازی وابوحاتم ودارقطنی و بیہقی اطلاق مرسل بر منقطع کردہ اند وابوداؤد در مراسیل ہمبریں اصطلاح رفتہ وہمچنیں بخاری در بعض مواضع صحیح خود ..." الخ [1]

اسی طرح علامہ الجزائری رقمطراز ہیں۔

"وقد اطلق المرسل علی المنقطع من ائمۃ الحدیث

---

[1] تصحیح النظر شرح شرح نخبۃ الفکر

ابو زرعۃ وابو حاتم والدار قطنی "۔ ؎۱

بایں وجہ جب امام دار قطنیؒ کی یہی اصطلاح ہے تو اعتراض کی قطعاً گنجائش نہیں۔

حسن کی مثال سنن ص ۱۲۷ میں ایک حدیث کی سند یوں بیان کرتے ہیں

ثنا محمد بن اسماعیل الفارسی ثنا یحیی بن عثمان بن صالح ثنا اسحاق بن ابراھیم حدثنی عمرو بن الحارث حدثنی عبد اللہ بن سالم عن الزبیدی حدثنی الزھری عن ابی سلمۃ وسعید عن ابی ھریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قراءۃ ام القرآن رفع صوتہ وقال آمین "

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ھذا اسناد حسن"

صحیح کی مثال اسی باب میں ایک جگہ ایک روایت کی سند یوں نقل کرتے ہیں :-

حدثنا عبد اللہ بن جعفر بن خشیش ثنا الحسن بن احمد بن ابی شعیب ثنا محمد بن سلمۃ عن ابی عبد الرحیم عن زید بن ابی انیسۃ عن ابی اسحاق عن عبد الجبار

؎۱ توجیہ النظر ص ۲۲۳

بن وائل عن ابیہ قال صلیت خلف رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم قال فلما قال ولا الضالین قال
امین مد بہا صوتہ "

اس کے بعد فرماتے ہیں "ھذا اسناد صحیح "

منکر کی مثال

حدثنا محمد بن مخلد نا احمد بن اسحاق
بن صالح ابوزنان ثنا اسحاق بن موسیٰ
الانصاری ثنا عاصم بن عبدالعزیز عن ابی سہیل
عن عون عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال یکفیک قراءۃ الامام خافت او قراء۔ قال
ابوموسیٰ قلت لاحمد بن حنبل فی حدیث ابن عباس
ھذا فی القراءۃ۔ فقال ھذا منکر "

الغرض اسی طرح امام دارقطنیؒ نے اکثر مقامات پر حدیث کے ضعیف
شاذ، مرسل، منکر، حسن یا صحیح ہونے کی صراحت کی ہے جس سے ان کے علم و
فضل اور علم سے گہرے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان کی
سنن کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

" والدارقطنی صنف سننہ لیذکر فیہا غرائب السنن
وھو فی الغالب یبین حال ما رواہ وھو اعلم الناس بذالک[1]

---

[1] الرد علی البکری ص۔۲

یعنی انہوں نے سنن اس لیے تصنیف کی ہے کہ غرائب کا ذکر کر
اور اکثر اوقات ان کی حالت بھی ذکر کر دیتے ہیں اس لئے کہ وہ اس
فن کو خوب جانتے تھے۔

بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن
دار قطنی صحاح ستہ کے علاوہ روایات کو جمع کرنے کے لئے تالیف
کی گئی ہے تاکہ باقی ماندہ فقہی روایات کے طرق اور ان پر فنی گفتگو
ایک جگہ پر مدون ہو جائیں۔ چنانچہ رسالہ تسعینیہ میں لکھتے ہیں

وابو الحسن مع تمام امامته فی الحدیث فانه انما صنف
هذه السنن کی یذکر فیها الاحادیث المستغربة فی الفقه
ویجمع طرقها فانها هی التی یحتاج فیها الی مثله[1]

یہاں ہم اس بات کی وضاحت ضروری خیال کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام
کے الفاظ "غرائب السنن" وغیرہ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں
موضوع روایات کو امام دار قطنی نے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ بعض احباب
نے سمجھا ہے لیکن ایسا نہیں بلکہ ان کی مراد وہ روایات ہیں جو صحاح ستہ
سے خارج ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ امام دار قطنی نے کتاب الوتر
میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطہ سے یوں نقل کی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا توتروا بثلاث اوتروا

---

[1] فتاویٰ شیخ الاسلام ص۱۵۲ ج ۵ طبع قدیم۔

بخمس او بسبع ولا تشبھوا بصلاۃ المغرب[1]

تو یہ روایت ان الفاظ سے اصول ستہ میں مذکور نہیں لیکن اس کے تمام راوی ثقہ ہیں جیسا کہ انہوں نے صراحت بھی کی ہے تو ایسی روایات کو ہی غرائب السنن سے موسوم کیا گیا ہے اور اصول حدیث کا یہ قانون مسلم ہے کہ ہر غریب روایت ضعیف نہیں ہوتی سنن دار قطنی کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ امام دار قطنی بسا اوقات ایک راوی پر جرح کرتے ہیں حالانکہ وہ جرح مرجوح ہوتی ہے۔ ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال میں اختلاف اور اس میں راجح پہلو ایک علیحدہ امر ہے ہم یہاں امام دار قطنیؒ کی جس جرح کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اس کی نوعیت یہ ہے کہ بسا اوقات وہ کسی راوی کو عدم معرفت کی بنا پر مجہول کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ مجہول نہیں ہوتا جس کی دو مثالیں ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) باب زکوٰۃ الحلی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی جو حدیث بواسطہ محمد بن عمرو بن عطاء عن عبداللہ بن شداد بن الھاد" مروی ہے اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"محمد بن عطاء مجہول"

لیکن ان کا یہاں محمد بن عطاء کو مجہول کہنا صحیح نہیں۔ محمد بن علی

---

[1] سنن دار قطنی ص ۱۷۲ ج ۱

ہے مراد یہاں محمد بن عمرو بن عطاء ہیں راوی نے جب اسے دادا کی طرف منسوب کیا تو امام دار قطنی نے اس کو ایک دوسرا راوی خیال کرتے ہوئے مجہول کہہ دیا۔ محدث ڈیانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں

قال البیهقی فی المعرفة وهو محمد بن عمرو بن عطاء لكنه لما نسب الی جده ظن الدارقطنی انه مجهول ولیس كذلك"

امام دار قطنی کی متابعت میں حافظ عبدالحق نے بھی "احکام" میں اسے مجہول کہا ہے۔ لیکن حافظ ابن القطان نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے

"جب سنن کی سند میں محمد کو دادا کی طرف منسوب کیا گیا تو دار قطنی اسے پہچان نہ سکے تو اسے مجہول کہہ دیا اور عبدالحق نے انہی کی متابعت میں اسے مجہول کہہ ڈالا حالانکہ محمد بن عمرو بن عطاء ثقات سے ہیں"

۲۔ اسی طرح باب ذکر قولہ صلی اللہ علیہ وسلم

"من كان له امام فقراءة الامام له قراءة"

میں حضرت جابر بن عبداللہ کی جو روایت بواسطہ "عبداللہ بن شداد عن ابی الولید عن جابر" نقل کی ہے اسے ذکر کرنے کے فرماتے ہیں

"ابو الولید مجهول"

حالانکہ یہ صحیح نہیں ابو الولید عبداللہ بن شداد ہی کی کنیت ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کتاب الکنیٰ للدولابی اور رجال کی دوسری

کتابوں میں ہے۔ امام حاکم رح اس روایت کو اسی سند سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قال ابو عبد اللہ عبد اللہ بن شداد ھو بنفسہ ابو الولید ومن تھاون بمعرفۃ الاسامی اورثہ مثل ھذا الوھم[1]

لیکن اس قسم کے سہو اور عدم معرفت کی بنا پر امام دار قطنی رح کی رفعت شان اور علو مرتبت پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا۔ اس قسم کے امور کو اگر باعث طعن قرار دیا جاتے تو انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات بابرکات کے علاوہ کسی انسان کو بھی اس قسم کے تساہل سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

بعض کتب صحاح سے تقابل:۔ امام دار قطنی رح "سنن" میں بسا اوقات ائمہ ستہ سے روایت بیان کرتے ہوئے ان کی کتاب اور اس روایت کے الفاظ وغیرہ میں باہم اتفاق یا اختلاف کو بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب الصیام میں حضرت ابن عمر رض کی جو روایت بواسطہ مالک عن نافع بایں الفاظ مروی ہے :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصوموا حتی تروا الھلال

اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"ھو فی الموطا عن نافع وابن دینار عن ابن عمر"

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۷۷ - ۱۷۸

یعنی موطا میں یہ روایت نافع اور ابن دینار عن ابن عمر کے
واسطہ سے مروی ہے جس سے وہ گویا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نافع
کی متابعت ابن دینار نے بھی کی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ امام مالک
نے ابن دینار کی روایت کو موطا میں علیحدہ بیان کیا ہے۔ اسی طرح
چند روایات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کی جو روایت بواسطہ
آدم ثنا شعبۃ ثنا محمد بن زیاد" نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں
" فان غبی علیکم الشہر فعدوا ثلاثین یعنی عدوا شعبان ثلاثین"
اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں" یہ روایت صحیح
ہے اور آدم نے شعبہ سے اسی طرح بیان کیا ہے اور امام بخاریؒ نے صحیح
میں آدم عن شعبہ ہی کے واسطہ سے اسے یوں بیان کیا ہے
" فعدوا شعبان ثلاثین" اور درمیان میں" یعنی" کا لفظ نہیں کہا تو
یہاں امام دار قطنیؒ صحیح بخاری اور سنن کی اس روایت میں ایک
باریک فرق بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ" فعدوا شعبان ثلاثین"
کے الفاظ دراصل راوی کی تفسیر ہے نہ کہ یہ الفاظ بھی مرفوع ہیں
لیکن امام بخاریؒ نے اسے مرفوع ہی ذکر کر دیا ہے جس سے امام
دار قطنیؒ کی دقت نظر اور جودت طبع کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

محدث ڈیانوی احمد اللہ نے اس اعتراض والزام کا جو جواب
" التعلیق المغنی" میں دیا ہے اہل علم کے لیے اسکی طرف مراجعت
ضروری ہے تاہم ہم یہ ضرور کہیں گے کہ" فعدوا شعبان ثلاثین"

کے الفاظ میں رفع وعدم رفع کا سوال نہیں جیسا کہ "التعلیق المغنی" کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ ان کے مدرج ہونے کا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے مدرج ہونے کی صراحت نہیں کی جس سے آدم کی روایت میں یہ جملہ مرفوع معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ راوی کی تفسیر ہے جیسا کہ سنن دارقطنی میں صراحتہً مروی ہے الا یہ کہ آدم کبھی تو اسے بطور تفسیر ذکر کرتے ہوں اور کبھی بغیر تفسیر کے یعنی اسے مرفوعاً ہی ذکر کرتے ہوں

سنن دارقطنی کے مطالعہ کے دوران ہمیں بعض دیگر کتب حدیث کے ساتھ اس کی احادیث کے معارضہ ومقابلہ کے وقت ہی ہمیں ایک اہم چیز نظر آئی جسے ہم اصحاب ذوق کے لئے ذکر کر دینا نہایت ضروری خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ باب ذکر الرکوع والسجود وما یجزی فیہما کے تحت حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت بواسطہ "یزید بن ہارون انا شریک عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل" مروی ہے اس کے ذکر کرنے کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "لم یحدث بہ عن عاصم بن کلیب غیر شریک وشریک لیس بالقوی فیما ینفرد بہ واللہ اعلم" [1]

---

[1] سنن دارقطنی ص ۳۴۵ ج ۱ طبع جدید

یعنی عاصم سے روایت کرنے میں شریک منفرد ہے اور وہ قوی نہیں جبکہ وہ منفرد ہو۔ اسی طرح اس روایت پر کلام کرتے ہوئے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں :۔

لا نعرف احدا رواہ غیر شریک "[1]

لیکن "زوائد ابن حبان" میں یہی روایت یزید بن ہارون کے طریق سے بواسطہ اسرائیل عن "عاصم بن کلیب عن ربیعہ عن وائل" مروی ہے [2]

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام دارقطنیؒ اور امام ترمذیؒ کا یہ کہنا کہ شریک بن عبداللہ النخعی" اس روایت میں منفرد ہے صحیح نہیں بلکہ اسکی متابعت اسرائیل سے ثابت ہے۔ لیکن ہمیں اس متابعت کے ثبوت میں نظر ہے کیونکہ عاصم بن کلیب کے تلامذہ میں اسرائیل نامی کسی شاگرد کا نام کتب رجال میں ہمیں نظر نہیں آیا اور نہ ہی اسرائیل کے مشائخ میں عاصم بن کلیب کہیں نظر آتے ہیں واللہ اعلم

یہی نہیں بلکہ "صحیح ابن حبان" کا ایک خطی نسخہ حضرت پیر محب اللہ دامت برکاتہم کے کتب خانہ میں موجود ہے جس میں عاصم بن کلیبا

---

[1] ترمذی مع التحفہ ص ۲۲۸ ج ۱ [2] موارد الظمآن ص ۱۳۲

کا شاگرد شریک ہی مذکور ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ
کہ موارد الظمآن کے نسخہ میں تصحیف ہے اور امام دار قطنیؒ اور
امام ترمذیؒ کا یہ قول کہ شریک اس میں منفرد ہے ہی صحیح ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

ائمہ ستہ سے طریق روایت:-

سنن دار قطنی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دار قطنیؒ ائمہؒ صحاح ستہ کے ایک واسطہ سے شاگرد ہیں۔
چنانچہ وہ امام بخاریؒ سے بواسطہ الحسین بن اسماعیل، احمد بن سلیمان اور محمد بن ہارون۔ امام مسلم سے بواسطہ محمد بن مخلد۔ امام نسائیؒ سے بواسطہ حسن بن الخضر المعدل اور محمد بن القاسم ابوبکر۔ اور امام ابوداؤد سے بواسطہ محمد بن یحییٰ بن مرداس، محمد بن مخلد، اور اسماعیل بن محمد بن الصفار روایت کرتے ہیں۔
اب ہم آخر میں سنن دار قطنی کی طبع جدید و قدیم کے متعلق اس بات کی وضاحت ضروری خیال کرتے ہیں کہ طبع جدید کے ناشرین نے اس کی تصحیح کا التزام نہیں کیا۔ طبع قدیم میں حاشیہ پر جو نسخوں کا اختلاف ذکر کیا گیا تھا۔ اس کا بھی قطعاً اہتمام نہیں کیا۔ جس سے بسا اوقات متن کی عبارت میں عجیب الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ سنن دار قطنیؒ طبع جدید کا مطالعہ کرتے ہوئے ان امور

کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ہمارے سامنے اسکی متعدد مثالیں ہیں تاہم صرف ایک کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں چنانچہ

باب القهقهة فى الصلوٰة وعللها

کے تحت امام دارقطنی ؒ ایک جگہ ابوالعالیہ کی روایت پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کان اربعة يصّدّقون من حديثهم ولا يبالون ممن يسمعون الحديث الحسن وابوالعالية و حميد بن هلال قال الشيخ ولم يذكر الرابع "

بعینہ حافظ ابن حجر ؒ نے تہذیب التہذیب ص۵۱ ج۳ میں حمید بن ہلال کے ترجمہ میں یہ صراحت کی ہے کہ شیخ نے تین کا ذکر تو کیا ہے لیکن چوتھے راوی کا نام نہیں لیا۔ البتہ سنن کے بعض نسخوں میں داؤد بن ابی ہند کا نام ملتا ہے۔ "

اسی طرح محدث دیانوی ؒ نے سنن طبع قدیم کے حاشیہ پر نسخہ کی علامت ذکر کرتے ہوئے چوتھے راوی کا نام داؤد بن ابی ہند بتلایا ہے لیکن طبع جدید میں داؤد بن ابی ہند کو متن میں ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ " ولم یذکر الرابع " کے الفاظ بھی جوں کے توں رہنے دیئے ہیں جس سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ طبع جدید کے ناشرین نے اس کی تصحیح کا کس قدر اہتمام کیا ہے۔

حدیث ثقلین اور سنن دار قطنی۔

سنن دار قطنی کے بعض مقامات خصوصیت کے حامل ہیں جن میں ایک مقام "حدیث ثقلین" کے جملہ طرق کی وضاحت ہے۔ امام دار قطنیؒ کے علاوہ اگرچہ دیگر محدثین نے بھی متعدد طرق سے اس روائیت کو نقل کیا ہے۔ تاہم اس کے جمیع طرق کا جو استیصاب امام دار قطنیؒ نے کیا ہے کسی دوسری کتاب میں اس کا ملنا مشکل ہے۔ اسی بناء پر متاخرین نے اس سلسلہ میں جس قدر ابحاث قلمبند کی ہیں وہ کسی بھی صورت امام دار قطنیؒ کی سنن سے مستغنی نہیں ہو سکے۔ اور اس ایک حدیث کے بیان کرنے میں امامؒ موصوف کی ثقاہت اور قوت حافظہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں

حدیث ثقلین کی اسانید کا بڑی کثرت سے احاطہ کیا ہے چنانچہ اس کی چوہتر اسانید ذکر کی ہیں۔ ان جملہ نو اسانید سے یہ الفاظ منقول ہیں "اذا کان الماء اربعین قلۃ" ۔۔ اور ان میں سے اول جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے اور ان اسانید کی تضعیف بھی کی ہے۔ باقی ابن عمرؓ سے مروی ہے اور ان میں بھی بعض روایات میں "لم ینجس" کے الفاظ واقع ہیں۔ اور بعض میں "لم ینجسہ بشئی" آیا ہے۔ رہے دوسرے ۵ طرق جن میں ایک ابوہریرہؓ کے واسطے سے ہے اور وہ اس حدیث

کو ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔

"ما بلغ من قلتین فما فوقہما ذالک لم ینجسہ شئی"

اور دوسرا ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ اس حدیث کو
ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

"اذا کان الماء قلتین فصاعدا لم ینجسہ شئی"

اور باقی ابن عمرؓ سے مروی ہیں۔ جن میں بعض روایات
تو اس طرح پر ہیں "عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم"
اور بعض "عن ابن عمر عن ابیہ" اور دونوں میں یہی لفظ ہیں
اذا کان الماء قلتین حاصل یہ کہ سب امور ان کی قوت
حافظہ اور استیفاء پر دلالت کرتے ہیں" [۱]

حدیث قلتین کے علاوہ بھی اگر سنن کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے
تو اس قسم کے متعدد مقامات نظر آتے ہیں۔ جہاں انہوں نے اسانید
کو کافی حد تک جمع کرنے اور اختلاف روایات کی وضاحت کرنے
میں بڑی تندہی اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ جن میں سے حدیث
"من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ" حدیث القرأۃ
بسم اللہ" اور حدیث" القہقہۃ فی الصلوٰۃ" خصوصاً
قابل مطالعہ ہیں۔

---

[۱] بستان المحدثین صـ۲۹۴

(۲) کتاب العلل:- امام دار قطنیؒ کی دوسری اہم کتاب "کتاب العلل" ہے علم حدیث کی مختلف انواع میں اسی نوع یعنی "معرفۃ العلل" کا علم سب سے اجل و اشرف اور انتہائی مشکل ہے جس میں راوی کے ضعیف ہونے کی بنا پر تو کلام نہیں ہوتی۔ بلکہ بسا اوقات ایک حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے لیکن اس میں بعض ایسے خفی عیوب ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے اور اسی قسم کے علم کا نام معرفۃ العلل ہے۔ معلل حدیث کی تعریف میں علماء نے لکھا ہے کہ جس میں کسی ایسی علت کا پتہ چلے جس سے حدیث میں قدح وارد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ حدیث بظاہر ضعف سے سالم نظر آتی ہو محدثین اس کا نام معلول بھی رکھتے ہیں جو اعلّ فعل ماضی سے اسم مفعول ہے اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ بہتر یہ ہے اسے لغۃً "معلّ" ایک لام سے پڑھا جائے۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث معلل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"ھو من اغمض انواع الحدیث وادقھا ولا یقوم بہ الا من رزقہ اللہ تعالٰی فھما ثاقباً وحفظاً واسعاً ومعرفۃ تامۃ بمراتب الرواۃ وملکۃ قویۃ بالاسانید والمتون"۔[1]

خطیب بغدادیؒ فرماتے کہ اس نوع کی مثال درہم کی سی ہے کہ

---

[1] شرح نخبۃ الفکر۔ توضیح الافکار ص ۲۹ ج ۲

ان میں درہم کھرے بھی ہوتے ہیں اور کھوٹے بھی۔ لیکن ان کی حقیقت کو ایک کامیاب جوہری ہی پا سکتا ہے۔ اسی طرح علم حدیث کی مثال ہے ان میں بعض احادیث ضعیف ہوتی ہیں۔ بعض صحیح اور بعض میں علت غامضہ ہوتی ہے لیکن اس کا پتہ وہی شخص لگا سکتا ہے جسے اس فن میں مہارت تامہ میسر ہو بلکہ بعض اہل علم نے تو اس فن کو دھبی یا الہامیہ بھی کہا ہے اور یہی وہ خارزار وادی ہے جس میں ہر شخص قدم نہیں رکھ سکتا بلکہ جسے قدرت الہی نے اپنے خصوصی فیضان سے فہم ثاقب اور حفظ واسع سے نوازا ہو وہی اس وادی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ "محدثین کی قلیل جماعت نے اس پر قلم اٹھایا ہے"

دیگر اصحاب علل:۔ ہم یہاں ان محدثین کرام کا ذکر مناسب خیال کرتے ہیں جنہوں نے اس فن پر کتابیں لکھی ہیں تاکہ ان کی اور امام دارقطنیؒ کی "العلل" میں فرق واضح ہو سکے۔

(۱) امام علی بن مدینی م ۲۳۴ھ امام بخاری کے استاذ ہیں اور اس فن پر غالباً سب سے پہلے انہوں نے ہی کتاب لکھی ہے امام ابو حاتم فرماتے ہیں

" کان ابن المدینی علما فی معرفة الحدیث والعلل" [1]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵ ج ۲ تہذیب التہذیب ص ۳۵۵ ج ۷

(۲) "امام محمدؒ بن اسماعیل بخاری م ۲۵۶ھ" تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجرؒ نے انہیں حافظ دنیا کے لقب سے یاد کیا ہے علل حدیث میں جس قدر انہیں عبور حاصل تھا اس کا اندازہ احمد بن حمدون کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ میں امام بخاریؒ کو دیکھا کہ محمدؒ بن یحییٰ الذہلی ان سے اسماء اور علل حدیث کے متعلق سوال کرتے تھے تو وہ اس طرح جواب دیتے جاتے جیسا کہ "قل ھو اللہ احد" پڑھ رہے ہیں۔[1]

جامع ترمذی کے بعض نسخوں میں امام ترمذیؒ کا یہ قول ملتا ہے

" لم ار احدا بالعراق ولا بخرسان فی معنی العلل والتاریخ و معرفۃ الاسانید کبیرا احدا اعلی من محمد بن اسماعیل"[2]

الغرض امام بخاریؒ کا اس فن میں ماہر ہونا کسی بھی صاحب علم سے مخفی نہیں۔ لیکن حافظ مسلمہ بن قاسم اندلسی م ۳۵۳ھ کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ کو العلل میں جو مقام حاصل ہے وہ دراصل ان کی اپنی کوشش وسعی کا ثمرہ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے استاذ علی بن المدینی کی کتاب العلل" کو ان کے کہیں چلے جانے کے دوران ان کے صاحب زادے کو مال کی طمع دے کر ایک دن

---

[1] ھدی الساری [2] تحفۃ الاحوذی ص ۳۸۷ ج ۴

کے لیئے حاصل کی اور وہ کاتبوں سے لکھوالی۔ جب علی بن المدینی سفر سے واپس آئے تو اس فن پر جب وہ گفتگو کرنے لگے تو امام بخاری نے اس کتاب کی عبارتوں کو اپنی طرف سے علی بن المدینی کے سامنے پیش کیا تو وہ اس معاملہ کو سمجھ گئے۔ اور سخت رنجیدہ ہوئے بالآخر اسی رنج والم میں انتقال فرما گئے۔ امام بخاری اس کتاب کی بدولت ان سے مستغنی ہوئے اور خراسان جاکر "الصحیح" کی تصنیف میں مشغول ہو گئے"

لیکن یہ مسلمہ کی سراسر بدگمانی ہے جو خلاف واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام بخاری کے ترجمہ میں ان کا یہ اعتراض نقل کر کے لکھا ہے

"وانها غنية عن الرد لظهور فسادها وحسبك انها بلا اسناد وان البخاری لما مات علی کان مقیما ببلاده والعلل لابن المدینی قد سمعها منه غیر واحد غیر البخاری فلو کان ضنینا بها لم یخرجها الی غیر ذالك من وجوه البطلان لهذه الاخلوقه والله الموفق "[1]

حافظ ابن حجر کے اس جواب سے گو ہمیں اتفاق ہے کہ مسلمہ بن قاسم نے اس قصہ کی کوئی سند پیش نہیں کی لیکن سند تو کیا خود

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۵۵ ج ۹

مسلم کی حالت یہ ہے کہ اندلس کے رہنے والوں نے اسے کذاب تک کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

کان القوم بالاندلس یتحاملون علیه وربما کذبوه و سئل القاضی محمد بن یحییٰ بن مفرج عنه فقال لم یکن کذابا ولکن کان ضعیف العقل وقال ابو جعفر المالقی فیه نظر[1]

حافظ ذہبیؒ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مسلمة بن قاسم القرطبی کان فی المستغری الاموی ضعیف"[2]

لہذا اس جیسے ضعیف بلکہ کذاب اور ضعیف العقل راوی کی بے سند باتوں کو معتبر قرار دے کر امام بخاریؒ کی عدالت و امانت کو داغدار کرنا انصاف کے گلے پر چھری چلانے کے مترادف ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ:۔

ان کی العلل کا ایک جز حال ہی میں طبع ہوا ہے جو تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے ذکر کیا ہے کہ اس کا مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ میں موجود ہے لیکن اس کا حجم انتہائی تھوڑا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں۔

مخطوط الظاهریة مجموع ۴۰ وهو عبارة عن ۲۳ ورقة من القطع الصغیر مضموم الی مجلد یشتمل علی عدة رسائل تبلیغ ۳۲۵ ورقة مخطوط مختلفة "[3]

---

[1] لسان المیزان ص ۳۵۰ ج ۶ [2] میزان الاعتدال ص ۲۳۵ ج ۳
[3] علوم الحدیث ص ۱۸۷

ظاہر ہے کہ کتاب "العلل" کا یہ مخطوطہ ناقص ہے

(۴) امام ابوزرعہ:- اپنے زمانہ کے کبار حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ "العلل" پر کتابوں کا ذکر کرنے والوں نے ان کی کنیت ہی نقل کرنے پر اکتفا کی ہے۔ حالانکہ ابوزرعہ نامی دس ایسے محدث ہیں جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں:-

(۱) ابوزرعہ المصری حیوۃ بن شریح م ۱۵۸ھ
(۲) ابوزرعہ الدمشقی عبدالرحمٰن بن عمرو م ۲۸۱ھ
(۳) ابوزرعہ رازی احمد بن حسین ۳۷۵ھ
(۴) ابوزرعہ الرازی عبیداللہ بن عبدالکریم ۲۶۴ھ وقیل ۲۶۸ھ
(۵) ابوزرعہ الاسترابادی احمد بن بندار بن محمد ۳۸۲ھ
(۶) ابوزرعہ الدمشقی محمد بن عبداللہ بن عبداللہ ۳۶۰ھ
(۷) ابوزرعہ الرازی روح بن محمد ۴۲۳ھ
(۸) ابوزرعہ الکشی محمد بن یوسف الجرجانی ۳۹۰ھ
(۹) ابوزرعہ الیمنی محمد بن ابراہیم ۳۰۰ھ
(۱۰) ابوزرعہ الجرجانی احمد بن حمید الصیدلانی۔ یہ امام یحییٰ القطان کے تلامذہ سے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے ان کا سن وفات ذکر نہیں کیا۔

یہ ہیں وہ دس حفاظ حدیث جو ابوزرعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے علل حدیث کا ماہر کون تھا کس نے اس موضوع

پر کتاب لکھی ہے۔ تو ان کے تراجم جملہ متداول کتب کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس فن کے ماہران میں سے دو بزرگ ہوئے ہیں۔

(۱) ابوزرعہ الجرجانی احمد بن حمید۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

"حافظ عارف بالعلل" [۱]

(۲) ابوزرعہ الدمشقی عبدالرحمٰن بن عمرو

ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو کے ترجمہ میں اگرچہ حافظ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ ابن کثیرؒ اور ابن العمادؒ وغیرہ نے تصریح نہیں کی کہ انہوں نے اس فن پر کتاب لکھی یا وہ علل کے حافظ تھے۔ تاہم حاجیؒ خلیفہ نے "کتاب العلل" انہی کی طرف منسوب کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"کتاب العلل لابی زرعۃ عبدالرحمٰن بن عمرو النصبیؒ" [۲]

اور یہی بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ابن ابی حاتمؒ نے جو العلل پر کتاب لکھی ہے وہ دراصل امام ابوزرعہؒ اور اپنے والد محترم امام ابوحاتمؒ سے مسئلہ کے جوابات پر مشتمل ہے اور ابوزرعہؒ الدمشقی عبدالرحمٰنؒ بن عمرو کے تلامذہ میں ابن ابی حاتم کا شمار بھی کیا گیا ہے۔ جو اس بات کا قرینہ ہے کہ انہوں نے اپنی العلل میں استفادہ ابوزرعہ الدمشقی مذکور ہی سے کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں یہ بات یقیناً فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ ابوزرعہؒ کی نسبت

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۲ ج ۳ [۲] کشف الظنون ص ۱۴۴۰ ج ۲

میں اصحاب تراجم نے اختلاف کیا ہے۔ حاجی خلیفہؒ سے ہم نقل کر آئے ہیں کہ وہ الصنبی کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ابن العمادؒ نے شذرات الذہب اور حافظ عبدالغنیؒ نے مشتبہ النسب میں المنصری ذکر کیا ہے اور علامہ سمعانیؒ نے انساب اور حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں المنصری لکھا ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ اور علامہ ذہبیؒ نے العبر میں البصری نقل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ یعقوب بن شیبہ السدوسی البصری سنہ ۲۶۲ھ / ۸۷۵ء

حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر اور صبحی صالح نے ان کا نام یعقوبؒ بن ابی شیبۃ لکھا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ شرح نخبۃ الفکر میں شاید کاتب سے سہو ہو گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر موصوف نے اسے جوں کا توں رہنے دیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اصحاب تراجم نے یعقوب بن شیبہ ہی لکھا ہے۔ حافظ ذہبیؒ رقمطراز ہیں:۔

"یعقوب بن شیبہ السدوسی البصری الحافظ الاعلام وصاحب المسند المعلل الذی ما صنف احد اکبر منه ولم یتمه" [1]

علامہ الجزائریؒ کا خیال ہے کہ یہ کتاب اگر مکمل ہو جاتی تو دو سو جلدوں پر مشتمل ہوتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

---

[1] العبر فی خبر من غبر ص ۲۵ ج ۲ شذرات الذہب ص ۱۴۷ ج ۲

" انه الف مسند امعللاً غیر انه لم یتم ولو تم لکان فی نحو مائتی مجلد والذی تم منه هو مسند العشرة والعباس وابن مسعود وعتبة بن غزوان وبعض الموالی وعمار " [1]

علامہ عراقیؒ نے بھی شرح الفیہ میں اس کی اہمیت کو سراہا ہے ال الازہری سے نقل کیا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض شیوخ سے سن کہ یعقوب بن شیبہ کی ایک جلد جس میں حضرت ابوہریرہ کی مسند روایات مروی ہیں وہ ایک سو اجزاء پر مشتمل ہے[2] جس سے ان کی کتاب کی جامعیت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

(۶) امام ابو حاتم رازیؒ م ۲۷۷ھ

ان کا نام محمد بن ادریس ہے مشہور حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں

" احد ائمة الحفاظ الاثبات العارفین بعلل الحدیث والجرح والتعدیل " [3]

(۷) امام عبدالرحمٰنؒ بن ابی حاتم م ۳۲۷ھ

یہ امام ابو حاتم مذکور کے صاحبزادے ہیں ۔ ان کی کتاب کا ذکر کر

---

[1] توجیہ النظر ص ۳۲۶ [2] فتح المغیث للعراقی ص ۹۶ ج ۳

[3] البدایہ ص ۵۹ ج ۱۱

ہوئے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

"لہ کتاب العلل المصنفۃ المرتبۃ علی ابواب الفقہ"[1]

بعض اہل علم نے تو ان کی کتاب کو حسن ترتیب کے اعتبار سے "العلل للدارقطنی" پر ترجیح دی ہے۔ چنانچہ علامہ الجزائریؒ فرماتے ہیں۔

"کتاب العلل للحافظ ابی الحسن علی بن عمر الدارقطنی خمس مجلدات وسطی اطلعت علیہ فرایتہ جم الفوائد الا ان کتاب العلل لابن ابی حاتم احسن ترتیباً واقرب لاستفادۃ الناس منہ"[2]

امام ابن ابی حاتمؒ کی یہ کتاب دو جلدوں میں نو سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ فاضل محمد نصیف رئیس جدہ کی کوشش سے مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ اگر اس کا تفصیلی انڈکس ہوتا تو افادیت کو مزید چار چاند لگ جاتے ہیں۔ حافظ ابن ابی حاتمؒ نے اس میں تین ہزار معلل احادیث ذکر کی ہیں جو دراصل ان اسئلہ و اجوبہ پر موقوف ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنے والد محترم اور امام ابو زرعہ رحمہم اللہ سے کئے تھے۔

علامہ الکتانیؒ نے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن عبدالہادیؒ نے اس کی شرح لکھنا شروع کی تھی لیکن وہ اسے مکمل نہیں کر سکے[3]

---

[1] البدایہ ص ۱۹۱ ج ۱۱ [2] مقدمہ کتاب العلل لابن ابی حاتم ص ا
[3] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۲۲

۸۔ امام مسلمؒ بن حجاج القشیری م ۲۶۱ھ

امام بخاریؒ کے مشہور شاگرد اور صحیح مسلم کے مصنف ہیں۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ اس فن پر سب سے پہلے انہوں نے ہی کتاب لکھی ہے۔ چنانچہ محب الدین الخطیب کتاب العلل لابن ابی حاتم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"اول من صنف فیہ ما نعلم الامام مسلم بن حجاج القشیری صاحب الجامع الصحیح" ؎۱

لیکن ان کا یہ خیال محل نظر ہے۔

۹۔ امام ابو عیسیٰؒ الترمذی ۲۷۹ھ

کی العلل میں دو کتابیں ہیں ایک علل صغیر جو جامع ترمذی کے آخر میں ملحق ہے اور دوسری علل کبیر۔ محدث مبارک پوری فرماتے ہیں

"فیہ معظم النقل عن شیخہ البخاری" ؎۲

متاخرین میں حافظ ابن رجبؒ حنبلی ۷۹۵ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کے متعلق علامہ کوثریؒ کا خیال ہے کہ

"غزیر العلم جلیل الفوائد جم النقول الشاردۃ لا یستغنی عنہ من یعنی بالعلل و مصطلح الحدیث" ؎۳

؎۱ مقدمہ کتاب العلل ص ۱ ؎۲ تحفۃ الاحوذی ص

؎۳ تعلیق لحظ الالحاظ ص ۱۸۲

(۱۰) حافظ زکریاؒ بن یحیی البصری الساجی ۳۰۷ھ۔

حافظ ذہبیؒ نے ان کی کتاب العلل کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے۔

"لہ کتاب جلیل فی علل الحدیث یدل علی تبحرہ فی هذا الفن" [۱]

۱۱۔ ابوبکرؒ الاثرم :-

ان کا نام احمد بن محمد بن ھانی ہے۔ امام احمدؒ کے ارشد تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حافظ ذہبیؒ ان کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"لہ کتاب فی العلل" [۲]

۱۲۔ ابوعلیؒ حسین بن علی النیساپوری م ۳۴۹ھ

علامہ الکتانیؒ نے ان کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ حافظ ابوبکرؒ احمد بن محمد الخلال م ۳۱۱ھ

حنبلی مسلک کے دلدادہ تھے۔ بلکہ فقہ حنبلی کو مرتب کرنے میں ان کا بڑا عمل دخل ہے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:-

"مولف علم احمد وجامعہ ومرتبہ"

حافظ ذہبیؒ نے ان کی کتاب العلل کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:-

"وصنف کتاب العلل فی عدۃ مجلدات" [۳]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۲۰۰ ج ۲ [۲] الرسالہ ص ۱۲۲ [۲] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۳۵ ج ۲

[۳] تذکرۃ الحفاظ ص ۷ ج ۳ - الرسالہ ص ۱۲۲

۱۴۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسا پوری م ۴۰۵ھ

ان کا مختصر تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ علامہ الکتانیؒ نے ان کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۵۔ عمروؒ بن الفلاس م ۲۴۹ھ

یہ امام ابو زرعہؒ اور ابو حاتمؒ کے استاد ہیں حافظ ابن حجرؒ نے ان کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"وقد صنف المسند والعلل والتاریخ"[۱]

۱۶۔ ابو علی حسنؒ بن محمد الزجانی۔ ان کی کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے[۲]

۱۷۔ ابو جعفر محمدؒ بن عبد اللہ بن عمار الموصلی م ۲۴۲ھ

نے بھی العلل پر ایک کتاب لکھی ہے۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے:۔

"لہ کتاب کبیر فی الرجال والعلل"

یزید الازدیؒ فرماتے ہیں کہ "الموصلی" کو حدیث و علل کا فہم حاصل تھا[۳]

۱۸۔ عبد اللہؒ بن ابو علی البلخی ۲۹۴ھ

حافظ ذہبیؒ نے ان کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔

"وصنف کتاب العلل وکتاب التاریخ"[۴]

---

[۱] تہذیب التہذیب ص ۸۱ ج ۸ [۲] کشف الظنون ص ۱۱۶۰ ج ۲

[۳] تذکرۃ الحفاظ ص ۷۱ ج ۲ [۴] ایضاً ص ۲۳۳ ج ۲

متقدمین میں سے جن اہل علم وفضل نے العلل جیسے مشکل وادق فن پر کتابیں لکھی ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ ان کے علاوہ متاخرین نے بھی اس فن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن ان تمام میں حافظ ابن جوزیؒ م ۵۹۷ھ اور حافظ ابن حجرؒ کی کتابیں تمام سے جامع ہیں۔

حافظ ابن جوزیؒ کی کتاب کا نام "العلل المتناهیه فی الاحادیث الواهیه" ہے لیکن اس میں انہوں نے جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ جیسا کہ علامہ الکتانی نے لکھا ہے [۱]

اور حافظ ابن حجرؒ کی کتاب کا نام "الزهر المطلول فی الخبر المعلول" ہے

علل حدیث میں العلل للدارقطنی کی اہمیت :-

العلل کے موضوع پر اگرچہ متعدد اہل علم نے کتابیں لکھی ہیں لیکن ان تمام میں امام دارقطنیؒ کی علل بمنزلہ آفتاب ہے اور اس کے مقابلہ میں دیگر کتب ستاروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ علامہ بلقینیؒ کا خیال ہے کہ علل میں ابن مدینیؒ ابن ابی حاتمؒ اور الخلالؒ نے کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن تمام سے جامع کتاب امام دارقطنیؒ کی ہے [۲]

امام حمیدیؒ الاندلسی م ۴۸۸ھ صاحب "الجمع بین الصحیحین" فرماتے ہیں۔ کہ علم حدیث کے طالب علموں کو تین فنون پر بالخصوص مہارت حاصل ہونی چاہیے

---

[۱] الرسالہ ص ۱۴۲ [۲] تدریب الراوی ص ۱۶۷

(۱) العلل۔ اس فن پر سب سے بہترین کتاب امام دارقطنیؒ کی ہے۔

(۲) المؤتلف والمختلف۔ اس میں سب سے بہترین کتاب امیر ابن ماکولاؒ کی ہے۔

(۳) شیوخ کی وفات کا علم۔ لیکن اس پر کوئی جامع کتاب نہیں۔ میرا اپنا ارادہ ہے کہ اس فن پر ایک جامع کتاب لکھونگا۔ امیر ابن ماکولا نے مجھے کہا ہے کہ اس کی ترتیب سنین اور حروف تہجی کے مطابق رکھنا۔

ابن طرخانؒ جو امام حمیدیؒ کے تلامذہ سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ امام حمیدیؒ "جمع بین الصحیحین" میں اس قدر مشغول ہوئے کہ وہ اس فن پر کچھ لکھ نہ سکے" حافظ ذہبیؒ اس قصّہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے امیرؒ ابن ماکولاؒ کے اس اشارہ کو قبول کیا اور اسی ترتیب سے تاریخ اسلام کو مرتب کیا[۱]

علامہ ذہبیؒ نے ان کی کتاب کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:۔

"ان شئت ان تبین براعة هذا الامام فطالع العلل له فانك تندهش ويطول تعجبك"[۲]

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

وقد جمع ازقة ماذكرنا كله الحافظ الكبير ابوالحسن الدارقطني في كتابه في ذالك وهومن اجل كتب بل اجل مارايناوضع في هذاالفن لم يسبق الى مثله

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۹ ج ۴ ۔ الرسالہ ص ۱۴۷ تدریب الراوی ص ۵۰۵ الاعلان بالتوبیخ ص ۳۳۵ [۲] تذکرہ ص ۱۸۹ ج ۳

وقد اعجز من یرید ان یاتی بعدہ فرحمہ اللہ واکرم

مثواہ" [1]

الدکتور صبحی صالح فرماتے ہیں۔

"ان لابی الحسن دار قطنی کتابا جلیلا فی ھذا الباب

واعجز بہ من یرید ان یاتی بعدہ " [2]

یعنی اس فن پر امام دار قطنیؒ کی کتاب جلیل القدر ہے اور ان کے بعد جو بھی اس فن پر لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے جس سے اس کی جامعیت وافادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے حدیث کے طالب علم کے آداب میں شمار کیا ہے کہ وہ امام احمدؒ اور امام دار قطنیؒ کی علل پر حاوی ہو [3]

امام دار قطنیؒ کی یہ کتاب علامہ الکتانیؒ کی تصریح کے مطابق بارہ جلدوں پر مشتمل ہے [4] لیکن زرکلی کا خیال ہے کہ یہ تین جلدوں میں ہے [5] اور علامہ الجزائریؒ کا قول ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں کہ یہ پانچ مبسوط جلدوں میں ہے۔

بہر حال یہ کتاب اس فن پر اپنی نظیر آپ ہے۔ اور یہ اختلاف جلدوں کے چھوٹی بڑی ہونے پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] الباعث الحثیث [2] علوم الحدیث ص ۱۰۷ [3] تدریب الراوی ص ۳۵۲

[4] الرسالۃ ص ۱۲۲ حاشیہ تدریب الراوی ص ۳۵۲

[5] الاعلام ص ۱۳۰ ج ۵

علامہ سخاوی رح نے اس کا اختصار بھی کیا ہے جس کا نام "بلوغ الامل" ہے[1]
امام دارقطنی رح کی کتاب کا مکمل نام "العلل الواردہ فی الاحادیث النبویہ"
ہے جو دار الکتب المصریہ قسم حدیث رقم ۳۹۴ میں موجود ہے۔ لیکن اس کے
چند اوراق دیمک خوردہ ہیں[2]

محدث مبارک پوری نور اللہ مرقدہ نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رح کے
ہاتھ کا لکھا ہوا اس کا ایک کامل نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے[3]
ہندوستان میں اس کا ایک ناقص نسخہ بانکی پور لائبریری میں موجود
ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ ثانی، ثالث، خامس۔ ثانی کا نسخہ قدیم
سن کتابت تقریباً ۸۰۰ھ اور خط نسخ ہے۔ جو ۳۴۰ اوراق پر
مشتمل ہے۔ اور ہر صفحہ میں ۳۵ سطریں ہیں۔ جزو ثالث کا سن کتابت
تقریباً ۱۳۰۹ھ ہے خط نسخ ہے۔ اس میں ۳۶۰ اوراق ہیں اور ہر صفحہ
میں ۲۳ سطریں ہیں۔ جزو خامس کا سن کتابت تقریباً وہی ہے جو ثالث کا ہے
اس میں ۲۶۹ اوراق ہیں اور ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں[4]

جناب سیدی و مرشدی مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف مدظلہ العالی
سے پتہ چلا ہے کہ "العلل" کا ایک ناقص نسخہ جناب پیر محب اللہ شاہ صاحب
پیر جھنڈا درگاہ شریف حیدر آباد سندھ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

---

[1] ایضاح المکنون ج۲ [2] فہرست دار الکتب المصریہ ص ۱۳۱ ج ۱۔
[3] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۶ [4] مجلہ برہان دسمبر ۱۹۵۰ء

اس وقت العلل للدارقطنی کا جو نسخہ موجود ہے وہ ان کے شاگرد رشید ابوبکر البرقانی کا جمع کردہ ہے۔ امام دارقطنیؒ اپنے حفظ سے املاء کرواتے اور یہ لکھتے جاتے تھے۔

چنانچہ برقانیؒ فرماتے ہیں کہ ابومنصورؒ بن الکرخی کا ارادہ تھا کہ وہ معلل احادیث پر مشتمل ایک مسند لکھیں۔ وہ اپنی بیاض امام دارقطنیؒ کو دیتے تو وہ معلل احادیث کی نشاندہی کر دیتے۔ پھر ابومنصورؒ وہ بیاض کاتبوں کے حوالہ کر دیتے تو وہ امام دارقطنیؒ کی رقم شدہ احادیث کو علیحدہ لکھ دیتے۔ اور جب وہ امام دارقطنیؒ سے اس پر تعلیق کا ارادہ کرتے تو امام موصوف ایک دفعہ اس مسودہ کو دیکھ لیتے اور حافظہ سے ان احادیث کی علل کا ذکر کرتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے۔ پھر ابومنصورؒ فوت ہو گئے اور وہ اسے مرتب نہ کر سکے۔ البتہ وہ کاغذات ویسے ہی محفوظ تھے۔ میں نے دس سال بعد امام دارقطنیؒ سے اجازت چاہی کہ مجھے ان اوراق کو جمع کرنے اور مستقل ترتیب دینے کی اجازت ہے؟ تو انہوں نے اسے قبول فرمایا۔ پھر میں نے اس کی قرأۃ بھی ان پر کی اور اس کے بعد لوگوں نے اسے میری سند سے نقل کر لیا۔[1]

۳۔ کتاب الالزامات والتتبع

علامہ نوویؒ اور بعض دوسرے علماء نے اس کا ذکر "الاستدراک والتتبع" ...

---

[1] تاریخ بغداد ص ۳۷-۳۸ ج ۱۲

کے نام سے بھی کیا جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی کتاب ہے لیکن بعض اہل علم نے اسے دو علیحدہ تصانیف قرار دیا ہے۔ جس کا سبب شاید نسخوں کے اختلاف پر موقوف ہے۔ کیونکہ بعض نسخوں میں تو کتاب التتبع کو علیحدہ ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں اسے الزامات کے ساتھ ہی ملا دیا ہے چنانچہ "کتاب الالزامات والتتبع" کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں کتاب التتبع کے ابتداء میں لکھا ہے:۔

هذا الكتاب فى بعض النسخ يوجد منفردا مترجما منه بهذه الترجمة وفى النسخة المسموعة على السلفى مضموم مع الالزامات التى قبله فى جزء واحد ذكر الالزامات اولا ثم ذكر هذا بعدها على سياقه من غير افراد بترجمة انتهى "

یہی نہیں بلکہ حافظ ابوبکرؒ محمد بن خیر الاموی الاشبیلی نے فہرست "ما رواه عن شيوخه من الدواوين المصنفة فى ضروب العلم وانواع المعارف" میں انہیں دو علیحدہ کتابیں شمار کیا ہے۔ اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

علامہ الکتانی فرماتے ہیں۔ "کہ کتاب الالزامات میں انہوں نے ایسی روایات کو جمع کیا ہے جو صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر ہیں۔ لیکن صحیحین میں وہ مذکور نہیں" لیکن کتاب الالزام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الزامات کا یہ سلسلہ صرف اسی پر موقوف نہیں بلکہ انہوں نے ایسی روایات کی نشان دہی بھی کی ہے

جن میں صحابی سے صرف ایک ہی راوی روایت کرنے والا ہوتا ہے۔ جس سے وہ گویا امام حاکمؒ کے نظریہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں شروطِ بخاری و مسلم کا ذکر کرتے ہوئے ائمہ فن نے امام حاکمؒ کی طرف اس شرط کی نسبت کی ہے کہ " حدیث ایسے صحابی سے منقول ہو جو مجہول العین نہ ہو یعنی اس سے دو راوی روایت کرنے والے ہوں۔"

امام حاکمؒ کی اس شرط پر علمائے فن نے تعاقب کیا ہے لیکن حافظ سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" میں ان کے اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ " اس صحابی سے یا راوی سے اس کے دو شاگرد روایت کرنے والے ہوں عام اس سے کہ اس روایت میں وہ اکیلا ہو۔" یعنی ان کی شرط مطلق جہالت عین کے مبرا ہونے کی ہے۔

اس توجیہ سے گو ہمیں اتفاق ہے لیکن امام حاکمؒ کی عبارت اس تاویل کی متحمل نہیں چنانچہ وہ "المستدرک کتاب الطب" میں حضرت اسامۃ بن شریک رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

قال الحاکم رضی اللہ عنہ قد ذکرت من طرق ھذا الحدیث اقل من النصف فانی تتبعت من اتفق الشیخان رضی اللہ عنہما علی الحجۃ فی الصحیح وبقی فی کتابی اکثر من النصف لیتأمل طالب ھذا العلم ویقول مثل ھذا الحدیث علی الشہادۃ وکثرۃ رواتہ بانہ لا یوجد لہ عن الصحابی الا تابعی واحد مقبول ثقۃ

قال لی ابو الحسن علی بن عمر الحافظ رحمہ اللہ لِمَ اسقطا حدیث اسامۃ بن شریک من الکتابین قلت لانہما لم یجدا لاسامۃ بن شریک راویا غیر زیاد بن علاقۃ فحدثنی ابو الحسن رضی اللہ عنہ وکتبہ لی بخطہ قال قد اخرج البخاری رحمہ اللہ عن یحیی بن حماد عن ابی عوانۃ عن بیان بن بشر عن قیس بن ابی حازم عن مرداس الاسلمی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یذھب الصالحون اسلافا الحدیث ولیس لمرداس راو غیر قیس الخ"[1]

اس کے بعد امام حاکمؒ نے امام دارقطنیؒ کے اس کلام سے اس قسم کی مزید پانچ احادیث کی نشاندہی کی ہے جن میں صحابی سے روایت کرنے والا صرف ایک تابعی ہی ہوتا ہے۔ امام حاکمؒ کی یہ ساری کلام جہاں علامہ سیوطیؒ کی مذکورہ توجیہ کے خلاف ہے وہاں اس بات کی بھی غمازی کرتی ہے کہ امام حاکمؒ کا کسی وقت یہ نظریہ تھا کہ صحابی سے روایت کرنے والے دو تابعی کا ہونا صحیحین کی شروط میں سے ہے لیکن امام دارقطنیؒ سے جب اس اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام حاکمؒ نے امام دارقطنیؒ کے جواب پر بالکل سکوت اختیار کیا ہے واللہ اعلم

---

[1] المستدرک للحاکم ص ۲۰۱ ج ۲

عین ممکن ہے کہ کتاب "الالزامات" میں جو امام دار قطنی رح نے اس قسم کی روایات کو ذکر کیا ہے جن کی تعداد تیس ۳۰ کے قریب ہے تو اس سے مقصود امام حاکم رح کے مذکورہ نظریہ کا ابطال ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہی "کتاب التتبع" تو اس میں صحیحین کی ان روایات کو جمع کیا ہے جن میں کسی قسم کی علت وغیرہ پائی جاتی ہے۔ اگر وہ علت معقول ہے تو فبہا۔ ورنہ اس کا جواب ذکر کر دیتے ہیں۔ یعنی کتاب التتبع میں صرف معلول روایات کو جمع کرنا ہی ان کا مقصد نہیں بلکہ انہوں نے اس کتاب میں ایسی روایات کو بھی ذکر کیا ہے جن میں فی الجملہ کوئی علت ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ علت علتِ قادحہ بھی ہو۔ چنانچہ وہ کتاب مذکور کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

"ذکر احادیث معلولۃ اشتمل علیھا کتاب البخاری و مسلم او احدھما بینت عللھا والصواب منھا"

لہٰذا اس کتاب کو محض معلول روایات کا مجموعہ قرار دینا صحیح نہیں جس کی ایک مثال ذکر کرنے پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں۔

امام دار قطنی رح کتاب التتبع میں مسند عمر رض کے تحت فرماتے ہیں۔

"واتفقا علی اخراج حدیث ابی عثمان کتب الینا عمر فی الحریر الا موضع اصبعین وھذا لم یسمعہ ابو عثمان وھو کاتبہ وھو حجۃ فی قبول الاجازۃ"

امام موصوف رح نے یہاں جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صحیح بخاری میں کتاب اللباس باب لبس الحریر الخ کے تحت اس سند سے مذکور ہے

"حدثنا آدم حدثنا شعبة حدثنا قتادة قال سمعت ابا عثمان النهدی اتانا کتاب عمرو نحن مع عتبة بن فرقد" الخ

تو اس روایت کو امام دارقطنیؒ نے کتاب التتبع میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابو عثمان کا سماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اجازہ میں یہ روایت حجت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اسی روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

قد نبه الدارقطنی علی ان هذا الحدیث اصل فی جواز الروایة بالکتابة عند الشیخین قال ذلک بعد ان استدرکه علیهما وفی ذلک رجوع منه عن الاستدراک علیه ۔ واللہ اعلم[1] انتھی

اس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کتاب التتبع میں امام دارقطنی کا مقصود محض روایات کو جمع کرنا نہیں ورنہ اس روایت کو ذکر کرنے کی کوئی معقول علت نظر نہیں آتی۔ ہمارے اس خیال کی تائید امام دارقطنی کی "کتاب العلل" سے بھی ہوتی ہے۔ کیوں کہ اسمیں انھوں نے کئی ایک ایسی روایات کو صحیح کہا ہے۔ جنہیں فی الجملہ کتاب التتبع میں ذکر کیا ہے۔

محترم مولانا فیض الرحمن الثوری مدظلہ العالی سے جب اس سلسلہ میں میری گفتگو ہوئی تو انہوں نے میرے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے کتاب العلل کی متعدد

---

[1] فتح الباری ص ۴۲۳ ج ۱۰

امثلہ ذکر کیں جن کے لیے میرا تکامضمون ہوں۔ یہاں ضروری ہے کہ ناظرین بھی اس کی چند امثلہ ملاحظہ فرمالیں :۔

(۱) "کتاب التتبع" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے متعلق فرماتے ہیں :۔ "واخرج مسلم حدیث الزہری عن ابی الطفیل عن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ یرفع بالقران اقواما وقد خالفہ حبیب عن ابی الطفیل عن عمر قولہ"

صحیح مسلم کی یہ روایت کتاب فضائل القرآن ص ۲۷۲ ج ۱ میں ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہاں صحیح مسلم کی مرفوع روایت پر تنقید کی ہے حالانکہ جب ہم ان کی کتاب العلل کی طرف مراجعت کرتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ صحیح مسلم کی اسی مرفوع روایت کو ہی صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"حدیث الزہری ھو الصواب"

یعنی زہری رحمہ اللہ نے اسے مرفوع ذکر کیا ہے وہی صحیح ہے۔

(۲) اسی طرح صحیحین کی ایک روایت بطریق عمرو عن طاوس عن ابن عباس عن عمر متصل مروی ہے [۱]۔ اس کے متعلق کتاب التتبع میں فرماتے ہیں :۔

---

[۱] بخاری ص ۲۹۶ ج ۱۔ مسلم ص ۲۳ ج ۲

"وارسلہ حماد بن زید عن عمرو عن طاوس عن عمر کذالک قال الولید عن حنظلۃ عن طاوس عن عمر۔ واللہ اعلم"

جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف یہاں اس متصل روایت پر تنقید کر رہے ہیں حالانکہ کتاب العلل میں متصل روایت کو ہی صحیح قرار دیا ہے ان کے الفاظ ہیں

"قول روح بن القاسم وابن عیینۃ ھو الصواب لانھما حافظان ثقتان"

یعنی روح اور ابن عیینۃ نے عمرو سے جو اسے متصل ذکر کیا ہے تو یہ متصل روایت ہی صحیح ہے۔

ہم یہاں دو امثلہ کے ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں ورنہ اس کی متعدد امثلہ مولانا فیض الرحمن الثوری نے ہمیں لکھ بھیجی تھیں جزاہم اللہ تعالےٰ جس سے گویا یہ بات صاف ہو گئی کہ "کتاب التتبع" محض معلول روایات کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ ایسی روایات کو بھی لائے ہیں جو بظاہر معلول نظر آتی ہیں حالانکہ وہ معلول نہیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب التتبع کو گو امام دار قطنیؒ نے مسانید کا لحاظ رکھتے ہوئے مرتب کیا ہے لیکن کہیں کہیں اس کا التزام صحیح نہیں ہو سکا۔

علامہ نوویؒ کے قول کے مطابق جن احادیث پر امام دار قطنیؒ نے تنقید کی ہے ان کی تعداد دو سو ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ان کی تعداد ۸۰ روایات

کی ہے جن میں سے ۱۱۰ احادیث صحیح بخاری کی ہیں[۱]۔ ممکن ہے کہ امام نوویؒ نے اکثریت کا لحاظ رکھتے ہوئے دو سو کی تعداد کا ذکر کیا ہو۔

امام دارقطنیؒ کے اعتراضات متعدد نوعیت کے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر درج ذیل ہے۔

(۱) بسا اوقات انہوں نے ایسی احادیث پر تنقید کی ہے جن میں بعض راوی اپنے دوسرے ساتھی سے اسناد میں زیادہ ذکر کرتے ہیں اور بعض کم ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد ص ۴۳۴ اور امام مسلمؒ نے ص ۵۴۶ ج ۱ میں ایک حدیث ابن جریجؒ کے واسطہ سے اس سند سے نقل کی ہے:۔

ابن جریج عن الزھری عن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ عن ابیہ وعمہ عبید اللہ بن کعب عن کعب ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ الخ

امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اس سند میں ابن جریجؒ نے زہریؒ اور کعبؓ کے درمیان عبد الرحمٰنؒ بن ابیہؒ اور عبید اللہؒ بن کعب کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ لیکن معمر اور عقیلؒ امام زہریؒ سے عبد الرحمٰنؒ بن کعب عن ابیہؓ کا واسطہ ہی ذکر کرتے ہیں۔ یعنی عبید اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔

(۲) بعض روایات اس قسم کی ہیں کہ جنہیں بعض ثقات نے زیادتی متن سے

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ص ۱۰۱ ہند

بیان کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے کتاب العتق ص ۳۴۳ ج ۱ میں قتادہؒ کے واسطہ سے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی ہے:۔

"قتادۃ عن النضر بن انس عن بشیر بن نھیک عن ابی ھریرۃ من اعتق" الحدیث

امام مسلمؒ نے بھی اسی سند سے اس روایت کو صحیح ص ۴۹۱ ج ۱ میں نقل کیا ہے، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عروبہ اور جریرؒ بن حازم تو اس روایت میں الاستسعاء کا لفظ قتادہ سے ذکر کرتے ہیں لیکن شعبہ اور ہشام رحمہ نے قتادہؒ سے یہ لفظ ذکر نہیں کیا۔

الغرض اس قسم کے متعدد وجوہ کی بنا پر انہوں نے صحیحین کی روایات پر تنقید کی ہے جنہیں حافظ ابن حجرؒ نے "ھدی الساری" میں ذکر کیا ہے۔

علامہ نوویؒ نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے "مقدمہ شرح بخاری" میں لکھا ہے کہ یہ تمام کے تمام اعتراضات بعض محدثین کے قواعد ضعیفہ پر مشتمل ہیں جو کہ جمہور آئمہ اصول کے خلاف ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ھذا الاستدراک مبنی علی قواعد بعض المحدثین ضعیفۃ جدا مخالفۃ لما علیہ الجمھور من اھل الفقہ والاصول وغیرھم فلا یغتر بہ" [1]

اور مقدمہ "المنہاج" میں کہا ہے کہ ان تمام یا اکثر روایات کا جواب

---

[1] مقدمۃ التعلیق المغنی ص ۴

علماء نے دیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ امام دارقطنیؒ کے اعتراضات بالکلیہ قواعد ضعیفہ پر مشتمل نہیں۔ اور بعض ایسے اعتراضات بھی ہیں جن کا تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکا۔[1]

کتاب الالزامات والتتبع اس وقت ہمارے سامنے ہے جسے سرسری نظر دیکھنے سے ہمیں حافظ ابن حجرؒ کا موقف صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جن کی ایک دو امثلہ ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) صحیح مسلم" باب مایفعل بالہدی اذا عطب فی الطریق" میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت اس سند سے مذکور ہے۔

حدثنا سعید عن قتادۃ عن سنان بن سلمۃ عن ابن عباسؓ[2]

امام دارقطنیؒ اس روایت پر تعاقب کرتے ہوئے کتاب الالزامات میں لکھتے ہیں:۔

"اس روایت کو بخاریؒ نے ذکر نہیں کیا۔ نیز سنانؒ سے روایت کرنے میں قتادہ منفرد ہیں۔ مزید یہ کہ قتادہؒ کا سنانؒ سے سماع بھی ثابت نہیں۔"[3]

اسی طرح علامہ زیلعیؒ نے "تخریج ہدایہ" میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ابن ابی خیثمہؒ سے نقل کیا ہے۔

"سمعت یحیی بن معین یقول قتادۃ لم یدرک سنان بن سلمۃ ولم یسمع منہ شیئاً"[4]

---

[1] ھدی الساری ص ۴۰۰ [2] مسلم ص ۴۲۷ ج ۱

[3] کتاب الالزامات ورق ۴ [4] نصب الرایہ ص ۱۶۲ ج ۳

امام دار قطنیؒ کا یہ اعتراض جہاں "قواعد قویہ" کے مطابق ہے وہاں اس قدر وزنی ہے کہ اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اور زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ امام مسلمؒ نے اس حدیث کی اور اسناد بھی ذکر کی ہیں۔ اور اسے متابعۃً لائے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اسی طرح "باب ما کان من النہی من اکل لحوم الاضاحی" میں پہلی روایت کی سند یوں ہے۔

"حدثنا عبد الجبار بن العلاء قال نا سفیان قال نا الزہری عن ابی عبید قال شہدت العید مع علی بن ابی طالب"[۱]

امام دار قطنیؒ نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے یہ روایت گو متناً صحیح ہے لیکن بواسطہ سفیان بن عیینۃ اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے کیونکہ یہ عبد الجبار کا وہم ہے اور اس کے دوسرے ساتھی حمیدیؒ۔ علی بن مدینیؒ، القعنبیؒ، احمدؒ بن حنبل، اسحاقؒ بن راہویہ، ابن ابی شیبہ، ابن ابی عمرو، قتیبۃؒ۔ ابو عبیدؒ اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے اسے ابن عیینۃؒ سے موقوف ذکر کیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔

واحتمل ان یکون خفی علی مسلم ان ابن عیینۃ یرویہ موقوفا لانہ لعلہ لم یقع عندہ الا من روایۃ عبد الجبار[۲]۔

---

[۱] صحیح مسلم ص ۱۵۷ ج ۲ [۲] کتاب التتبع ورق ۳۲

یعنی امام مسلمؒ کو شاید یہ روایت ابن عیینہؒ کے واسطہ سے عبد الجبارؒ سے ہی پہنچی ہے جسے مرفوع ذکر کرنے میں ان سے غلطی ہو گئی ہے۔

ظاہر بات ہے کہ نفس الامر میں صحیح مسلم پر یہ اعتراض صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ نوویؒ نے بھی اس اعتراض کو ذکر کر کے سکوت اختیار کیا ہے۔

الغرض امام نووی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ امام دارقطنیؒ کے تمام اعتراضات بعض محدثین کے قواعد ضعیفہ پر مشتمل ہیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ حافظ ابن حجرؒ ہی کی رائے ہمیں صائب نظر آتی ہے۔ واللہ اعلم

کتاب التتبع اور صحیح بخاری

علمائے محققین کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری ہی کا نام اولیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کلام اللہ کے بعد اس کتاب کے ساتھ علمائے امت نے جس قدر بحث و تمحیص اور اس کی تشریح و توضیح سے کام لیا۔ اس قدر کسی دوسری کتاب کی خدمت نہیں کی گئی۔ ہر صاحب نے اپنے ذوقِ سلیم کے مطابق اسے موضوعِ سخن بنایا۔ اگر کسی نے لغت پر بحث کی تو دوسرے نے الفاظ کے اعراب وغیرہ پر خامہ فرسائی کی۔ کسی نے تراجم الابواب اور استنباط مسائل کا عنوان بنایا۔ تو کسی نے رجال کو موضوع بحث بنایا۔ حاجی خلیفہؒ نے کشف الظنون میں تقریباً ۸۲ شروح کا ذکر کیا ہے۔ الغرض صحیح بخاری کے ہر ہر لفظ و نقطہ پر بحث کی گئی اور اس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں چھوڑا

ان ہی میں سے بعض علمائے ربانیین ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے صحیح بخاری کے اوہام و علل کے اظہار کو موضوع بحث بنایا چنانچہ ابو مسعودؒ الدمشقی م ۴۰۱ھ

نے صحیحین پر استدراک لکھا۔ اسی طرح ابو علیؒ الغسانی الجبانی نے اپنی تصنیف تقیید المہمل میں اس پر استدراک کیا۔ جو اکثر و بیشتر رواۃ پر مبنی ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن بن سراج الدین عمر بن علی بلقی م ۸۲۴ھ نے "الافہام بما وقع فی البخاری من الابہام" لکھی۔ ضبط اسماء پر علامہ عبدالغنیؒ بن احمد البحرانی الشافعی نے "قرۃ العین فی ضبط اسماء رجال الصحیحین" لکھی۔ بلکہ بعض نے تو صحیحین کے صحابہؓ اور تابعینؒ تک کو مستقل تصانیف میں جمع کیا۔

لیکن ہم یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں ابو مسعودؒ الدمشقی اور ابو علی جبانی وغیرہ نے اس سلسلہ میں امام دارقطنیؒ ہی کی اقتداء کی ہے بلکہ ان کے الزامات میں وہ جان نہیں جو امام دارقطنیؒ کے الزامات میں ہے۔ جیسا کہ ھدی الساری کے اس باب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے جس میں حافظ ابن حجرؒ نے ان تمام کا جواب دیا ہے جس کا مطالعہ صاحب ذوق کے لئے بڑا مفید ہے۔ البتہ ان کے ان الزامات و استدراک کے متعلق علماء کی جو آراء ہیں ان کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ علامہ انور شاہؒ کاشمیری فرماتے ہیں :۔

ثم ان الدارقطنی تتبع علی البخاری فی ازید من مائۃ مواضع ولم یستطع ان یتکلم الا فی الاسانید بالوصل والارسال غیر موضع واحد وھو اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین ولیتجوز فیھما فانہ تکلم فیہ مما یتعلق بحال المتن ووجھہ ان الدارقطنی یمشی علی القواعد الممھدۃ عندھم فینازعہ من

القواعد وشان البخاری ارفع من ذلك فانه يمشی علی اجتهاده وينظر الی خصوص المقام وشهادة الوجدان وانما القواعد لغير الممارس علی حد التحديد للعوام فيما لا يرد به التحديد من الشارع ورتبتها اعلی من الكل بعد اختلاف يسير بينهما" [1]

یعنی "دارقطنی نے گو سو سے زائد احادیث پر تعاقب کیا ہے مگر بجز ایک کے سب کا تعلق اسناد سے ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔ "اذا جاء احدکم والامام یخطب" اس کی وجہ یہ ہے کہ دارقطنیؒ محدثین کے قواعد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کلام کرتے ہیں مگر بخاری کی شان اس سے کہیں بلند ہے۔ کہ وہ اپنی بصیرت واجتہاد کو دلیل راہ بناتے ہیں۔ قواعد تو عوام کی خاطر غیر محدود کو محدود کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور بخاری مسلم کا مرتبہ ان سے کہیں اونچا ہے۔ اگرچہ دونوں میں بھی تھوڑا سا اختلاف ہے"

بایں ہمہ امام دارقطنیؒ کے اس نقد کا اثر صحیح بخاری پر یہ ہوا کہ وہ روایات مقطوع بالصحت نہ رہیں اور نہ ہی ان روایات سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تلقی بالقبول پر اجماع نہ رہا تو وہ مقطوع بالصحۃ بھی نہ رہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری اور امام نوویؒ نے "تقریب" میں صراحت کی ہے۔ حضرت نواب صدیق حسن خان قنوجی

---

[1] مقدمہ فیض الباری ص ۴۵

فرماتے ہیں :-

" ابن الصلاح نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں جس قدر مسند احادیث ہیں ان سے علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ معصوم (اجماع) سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ان سے پہلے محمدؒ بن طاہر مقدسی اور ابو نصر عبد الرحیمؒ بھی اسی کے قائل تھے۔ اور ابن کثیرؒ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اہل حدیث اور بہت سے شوافع و حنابلہ اور احناف کا یہی مسلک نقل کیا ہے لیکن نووی نے کہا ہے کہ ابن الصلاحؒ کے اس اصول سے محققین اور اکثر علماء نے اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ غیر متواتر احادیث سے ظن ہی حاصل ہوتا ہے۔ یہ قول زین الدین کی طرف منسوب کیا ہے لیکن نوویؒ کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے ان احادیث کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جن پر بعض اہل نقد جیسے امام دار قطنیؒ نے کلام کیا ہے [1]

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں :-

" امت نے چونکہ بخاری و مسلم دونوں کتابوں کو قبول کیا ہے اس لیئے وہ روایات جو صرف بخاری یا صرف مسلم میں ہیں وہ بھی قطعی طور پر صحیح ہونگی۔ سوائے ان چند روایات کے جن پر دار قطنیؒ اور ان جیسے دوسرے حفاظ نے کلام کیا ہے " [2]

---

[1] مسک الختام شرح بلوغ المرام [2] مقدمہ ابن الصلاح

رہے وہ اعتراضات تو حافظ ابن حجرؒ نے "ھدی الساری" میں ان کا جواب دیا ہے جسے بخوف طوالت حذف کرنا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔

کتاب الالزامات والتتبع کا ایک نسخہ صوبہ بہار میں مکتبہ علم و حکمت میں ہے اور اس کا ایک نسخہ محترم مولانا فیض الرحمٰن الثوری (مدرس چینی گوٹھ بہاولپور) کے پاس بھی ہے۔ اللہ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا موصوف کو جنہوں نے اپنا قیمتی نسخہ مجھے عنایت فرمایا۔ اور میں نے بھی اسے نقل کر لیا۔ سندھ حیدر آباد میں حضرت مولانا وھب اللہ شاہ راشدی اور حضرت مولانا سید محب اللہ دامت برکاتہم کے مکتبہ میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے۔

کتاب الالزامات کے راوی ابو طالبؒ محمد بن علی بن الفتح الحربی المشاہد ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ نے اپنی فہرست میں اس کا راوی ابو ذرؒ عبد بن احمد الھروی م ۴۳۲ھ ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے اس کی تخریج بھی کی ہے جو چار اجزاء کو محیط ہے۔ کتاب التتبع کے راوی بھی ابو طالبؒ حربی ہیں۔ البتہ ابن حجرؒ نے اس کا راوی ابو بکر احمد بن محمد بن غالب الخوارزمی المعروف بالبرقانی ذکر کیا ہے۔ مولانا فیض الرحمٰن صاحب نے کتاب الالزامات والتتبع دونوں کی تخریج کر دی ہے۔ البتہ الالزامات کے بعض مقامات کی تخریج باقی ہے۔

تنبیہ:- علامہ کاشمیری رحمۃ اللہ نے مذکورۃ الصدر عبارت میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صحیح بخاری کتاب التہجد باب ما جاء فی التطوع ص ۱۵۶ ج ۱ اور صحیح مسلم ص ۲۸۰ ج ۱ میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں بھی اس حدیث پر

بحث کرتے ہوئے اس الزام کو متن کی مثال کے ضمن میں پیش کیا ہے۔ لیکن ہم اس بات سے اس حد تک تو متفق ہیں کہ امام دارقطنیؒ نے جو کلام کی ہے وہ فی الجملہ متن سے متعلق ہے۔ رہا یہ پہلو کہ فی الواقعہ کیا انہوں نے اس پر کلام کی ہے تو یہ پہلو محل نظر ہے۔ امام دارقطنیؒ نے جو اس روایت پر بحث کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اخرجا جمیعا عنہ (ای جابر) حدیث شعبۃ عن عمرو عن جابر اذا جاء احدکم والامام یخطب قال تابعہ روح بن القاسم ابن جریج عنہ ورواہ ابن جریج وحماد بن زید وابن عیینۃ وایوب و حبیب بن یحیی و ورقاء عن عمرو ان رجلا دخل المسجد فقال لہ اصلیت"

حافظ ابن حجرؒ "ہدی الساری" میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ امام دارقطنیؒ کی اس عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ابن جریج وغیرہ نے اس روایت کو مرسل ذکر کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حماد بن زید، سفیانؒ بن عیینہ، ایوبؒ اور ابن جریجؒ اسے موصول بھی ذکر کرتے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ شعبہؒ نے ابن جریجؒ وغیرہ کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ اس کی روایت عموم کو مقتضی ہے کہ جو بھی مسجد میں آئے دو رکعت پڑھ کر بیٹھے۔ اس کے برعکس اس کے دوسرے ساتھی اسے ایک قصہ کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا شعبہؒ کی یہ روایت شاذ ہے لیکن شعبہؒ اس میں منفرد نہیں

روح بن قاسم سے اس کی متابعت ثابت ہے جسے دار قطنی نے سنن میں ذکر کیا ہے
لیکن امام دار قطنی کی کتاب الالزامات والتتبع کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے
اس کی عبارت ہم ابھی نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے شعبہ کی متابعت کا خود ذکر
کیا ہے۔ ممکن ہے حافظ ابن حجر کے پاس ان کا کوئی دوسرا نسخہ ہو جس میں تابعہ
روح بن القاسم" کے الفاظ مذکور نہ ہوں یا کاتب سے سہو ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔
یہی نہیں بلکہ سنن دار قطنی ص ۱۹۸ ج ۱ میں روح بن القاسم کے
واسطہ سے جو روایت مذکور ہے اس میں روح نے نہ صرف متن میں شعبہ کی متابعت
کی ہے بلکہ اسے متصل بھی ذکر کیا ہے۔

لیکن یہاں یہ سوال ممکن ہے کہ اگر امام دار قطنی کے نزدیک یہ روایت
معلول نہیں شعبہ کی متابعت کا ذکر انہوں نے خود کر دیا ہے تو اسے "کتاب التتبع"
میں لائے کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ "کتاب التتبع"
میں ان کا اسلوب یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس میں ایسی روایات بھی ذکر
کی ہیں جن میں فی الجملہ کوئی علت ہوتی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ علت
علت قادحہ بھی ہو۔ البتہ ایسی روایات کو ذکر کرکے کبھی خاموش گزر جاتے ہیں
یا پھر کبھی اس کی صراحت بھی کر دیتے ہیں جس کی چند امثلہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں
واللہ تعالٰی اعلم

۵۔ کتاب الضعفاء والمتروکین من المحدثین

امام دار قطنی کا تذکرہ کرتے ہوئے تذکرہ
نویسوں نے یہ بات ذکر کی ہے کہ ان کے شاگرد "حمزہ السہمی" نے ایک مرتبہ عرض

کی کہ آپ ضعفاء پر ایک کتاب لکھ دیں تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے پاس ابن عدیؒ کی کتاب "الکامل" نہیں؟ تو سہمیؒ نے جواب دیا کہ ہے! تو امام صاحبؒ نے فرمایا "فیہ کفایۃ لا یزید ولا یزاد علیہ" [1] جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً وہ ضعفاء پر مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن بعد میں جب اس موضوع پر قلم اٹھایا تو دو مستقل کتابیں لکھ دیں جن میں ایک "کتاب الضعفاء والمتروکین من المحدثین" کے نام سے مشہور ہے جس کا کامل نسخہ ابھی تک مخطوط ہے جو کہ استنبول کے کتب خانہ میں محفوظ ہے [2]

۶۔ **الجرح والتعدیل**:۔ اسماعیل پاشا نے ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ص ۱۸۵ ج ۴ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

فن جرح وتعدیل اور امام دار قطنیؒ

علم حدیث کے شعبوں میں علم الجرح والتعدیل کو خاص اہمیت حاصل ہے جس کا اندازہ امام حاکمؒ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ھو ثمرۃ ھذا العلم والمرقاۃ الکبیرۃ منہ" [3]

---

[1] کشف الظنون ص ۳۸۳ ج ۲ [2] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ص ۸۹ ج ۹

[3] معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۲

بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے تو حافظ ابو شامہؒ سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ جو شخص جرح و تعدیل سے واقف نہیں وہ احادیث کا حافظ ہی کیوں نہ ہو اُسے محدث نہیں کہا جائے گا [۱]

امام دارقطنیؒ کو اس فن سے گہرا لگاؤ تھا۔ میزان الاعتدال۔ لسان المیزان تہذیب التہذیب اور رجال کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ راویوں کی قلیل جماعت ہی ایسی ہو گی جن پر امام دارقطنیؒ نے کلام نہ کیا ہو۔ آئمہ فن نے ان کے کلام کو بلا تامل حجت قرار دیا ہے اور ان کی تصحیح و تضعیف پر اعتماد کیا ہے۔ "الرد علی البکری" کے حوالہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی عبارت اس سے قبل گذر چکی ہے کہ جرح و تعدیل میں ان کے کلام کو وہی اہمیت حاصل ہے جو احکام و مسائل میں امام شافعیؒ و امام مالکؒ وغیرہ کی ہے۔

اسی طرح علامہ ابو الفضل زین الدین عراقیؒ شرح الفیۃ الحدیث میں صحیحین کی احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کی صحت کا معیار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

فمن این یعرف الصحیح الزائد علی ما فیہما فقال (خذہ اذا تنص صحتہ) ای حیث ینص علی صحتہ امام معتمد کابی داؤد والترمذی والنسائی والدارقطنی

---

[۱] النکت لابن حجر

والخطابی والبیھقی فی مصنفاتھم المعتبرۃ" لہ

اسی طرح حافظ ابن الصلاحؒ نے بھی "علوم الحدیث" میں اسی ضمن میں لکھا ہے کہ "صحیحین کے علاوہ زائد احادیث کی صحت کا معیار یہ ہے کہ ان روایات کی تصحیح آئمہ حدیث مثلاً ابوداؤد، ترمذی۔ نسائی۔ ابن خزیمہ، دارقطنی وغیرہ کے اقوال سے ہو جو کہ ان کی کتب معتمدہ سے منقول ہوں۔"

جس سے عیاں ہوتا ہے کہ محققین نے امام دارقطنیؒ کی تضعیف و توثیق پر اعتماد کیا۔

حافظ ذہبیؒ نے آئمہ جرح و تعدیل کی تین قسمیں متشدد، متساہل، معتدل بیان کرتے ہوئے امام دارقطنی کو معتدلین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"وقسم معتدل کاحمد والدارقطنی وابن عدی" ۲ہ

حافظ ذہبیؒ کی اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امام دارقطنیؒ جرح میں تشدد یا تساہل کے الزام سے بری ہیں۔

ممکن ہے کہ کسی صاحب بصیرت کو اس بات کا احساس ہو کہ امام ذہبیؒ نے گو انہیں معتدلین میں شمار کیا ہے لیکن بسا اوقات ان کے تشدد کی بنا پر امام ذہبیؒ نے تعجب کا اظہار بھی کیا ہے۔ مثلاً "بدل بن المحبرؒ" جو کہ صحیح بخاری کا راوی ہے کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:۔

لہ فتح المغیث ص۹ ج ۱ ۲ہ اعلان بالتوبیخ ص۳۵۹ والرفع والتکمیل ص ۱۲۵

روی الحاکم عن ابی الحسن الدارقطنی ضعیف قلت ھو عجیب فقد قال ابوحاتم ھو ارجح من بھز وحبان وعفان" ؂۱

لیکن حافظ ذہبیؒ کا یہ تعجب صحیح نہیں کیونکہ امام دارقطنیؒ نے اسے علی الاطلاق ضعیف نہیں کہا بلکہ ان کی یہ جرح ایک خاص روایت کی بنا پر ہے جسے "بدل" نے "زائدہ" سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" اور "ہدی الساری" میں تصریح کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"ضعفه الدارقطنی فی روایته عن زائدة قاله الحاکم وذلك بسبب حدیث واحد خالف فیه حسین بن علی الجعفی صاحب زائدة"

اور یہ بات ظاہر ہے کہ "زائدہ" کے تلامذہ میں جو مقام "حسین بن علی الجعفی" کو حاصل ہے وہ "بدل" کو نہیں۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب وغیرہ میں ان کے تراجم سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا حسینؒ کی مخالفت کی وجہ سے امام دارقطنیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے نہ کہ علی الاطلاق۔ جس کا اعتراف حافظ ابن حجرؒ نے ان الفاظ سے کیا ہے۔

"ثقة ثبت الا فی حدیثه عن زائدة من الناسخة" ؂۲

لیکن اس اعتراف کے باوجود نامعلوم ■ "ہدی الساری" میں امام دارقطنیؒ کی

؂۱ میزان الاعتدال ص ۱۴۰ ج ۱ ؂۲ تقریب التہذیب ص ۵۸

اس جرح کو تعنت سے تعبیر کیوں کرتے ہیں؟

الغرض امام دار قطنیؒ متشدد نہیں اور نہ ہی متساہل ہیں بلکہ وہ معتدلین میں سے ہیں۔ آئمہ فن نے بلا تامل ان کی توثیق و تضعیف پر اعتماد کیا ہے۔

امام دار قطنیؒ پر اعتراض اور اس کا جواب :-

فن جرح و تعدیل میں جو مقام امام دار قطنیؒ کو حاصل ہے اس کا ذکر ابھی ہم کر آئے ہیں کہ محدثین نے ان کی تصحیح و تضعیف اور جرح و توثیق پر اعتماد کیا ہے۔ اور ان کا شمار ان ائمہ جارحین میں قطعاً نہیں ہوتا جنہیں تشدد یا تساہل سے متصف کیا گیا ہے۔ تاہم علامہ سخاویؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن حبانؒ کی طرح وہ بھی مجہول العدالت کو ثقہ کہتے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں :-

"وعبارة الدارقطني من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته وثبتت عدالته" [1]

اس کے بعد انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے اس مسلک کی وضاحت ان کی سنن سے بھی ہوتی ہے جسے انہوں نے "کتاب الدیات" میں ذکر کیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے :-

"وارتفاع اسم الجهالة له عنه ان يروى عنه رجلان فصاعدا فاذا كان هذه صفته ارتفع عنه اسم

---

[1] فتح المغیث ص ۱۲۷

الجہالۃ وصار حینئذ معروفا "[1]

علامہ سخاویؒ کے بعد امام موصوف کی طرف اس مسلک کی نسبت "الرفع والتکمیل" "قواعد التحدیث" وغیرہ کتب میں بھی ملتی ہے۔ جو فتح المغیث ہی سے ماخوذ ہے۔

لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔ حقائق اس کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے معلوم نہیں امام دارقطنیؒ کی کس کتاب سے یہ عبارت نقل کی ہے اور پھر اس عبارت کی تائید میں "کتاب الدیات" کی جس عبارت کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔ اس کا مفہوم تو صرف یہ ہے۔ کہ" جب دو راوی ایک مجہول (العین) سے روایت کریں تو اس سے "اسم الجہالت" یعنی جہالت عین مرتفع ہو جاتی ہے" لیکن اس سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مجہول الحال ہونا بھی رفع ہو جائے گا۔

یہی نہیں بلکہ" سنن دارقطنی" اور فتح المغیث کی عبارت میں تفاوت ہے سنن میں تو" ان یروی عنه رجلان "کے الفاظ ہیں لیکن فتح المغیث میں" من روی عنه ثقتان "ہے۔ نیز سنن میں" ارتفع عنه اسم الجہالۃ" کے ہی الفاظ ہیں حالانکہ فتح المغیث میں" ارتفعت جہالته و تثبت عدالته" کے الفاظ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ" عدالت کے ثبوت" کا ذکر سنن کی عبارت میں کہیں نہیں۔ بلکہ اس میں صرف" اسم جہالت"

---

[1] سنن دارقطنی ص ۳۶۱

سکے اٹھ جانے ہی کا ذکر ہے اور یہی جمہور محدثین کا مسلک ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور دیگر ائمہ اصول حدیث نے ذکر کیا ہے۔ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

"واقل ما ترتفع به الجهالة ان يروى عن الرجل اثنان فصاعدا من المشهورين . . . . نا ابوزكريا يحيى بن محمد بن يحيى قال سمعت ابى يقول اذا روى عن المحدث رجلان ارتفع عنه اسم الجهالة قلت الا انه لا يثبت له حكم العدالة بروايتهما عنه" [1]

مزید یہ کہ "سنن دار قطنی" اور کتب جرح و تعدیل کے مطالعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ متعدد رواۃ ایسے ہیں جنہیں امام دار قطنیؒ نے مجہول کہا ہے حالانکہ ان سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زائد راوی ہوتے ہیں جس کی ہم چند امثلہ ہی ذکر کرنے پر کفایت کریں گے

(۱) ابو غطفان المری یہ صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ امام دار قطنیؒ نے انہیں مجہول کہا ہے جیسا کہ حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ذکر کیا ہے بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے تو یہاں انتہائی تعجب کا اظہار ان الفاظ سے کیا ہے۔

"ويبعد هذا الظاهر ان مثل الدار قطنى لا يخفى عليه حال المرى وقد جزم بان هذا مجهول"

یعنی کس قدر بعید بات ہے کہ امام دار قطنی جیسی شخصیت پر "ابو غطفان المری" (جیسے مشہور راوی) کا حال پوشیدہ نہ ہونے پر بھی وہ اسے بالجزم مجہول کہتے ہیں

---

[1] الكفاية ص ۸۸-۸۹

حافظ ابن حجرؒ کا یہ تعجب بلاشبہ صحیح ہے کیونکہ ابو غطفان صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ اور اس پر انہوں نے استدراک بھی کیا ہے۔ پھر امام ابن معینؒ اور نسائیؒ جیسے کبار محدثین نے اسے ثقہ بھی کہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود امام دارقطنیؒ نے اسے مجہول کہا ہے۔ تو اب ابو غطفان جیسے معروف راوی کو مجہول کہنے کے دو۲ ہی معنی ہو سکتے ہیں۔

(۱) یا تو انہیں متقدمین میں سے ابو غطفان کی توثیق کا علم نہیں ہوا اور صرف صحیح مسلم کا راوی ہونے پر اس کی توثیق کو تسلیم بھی نہیں کیا۔

(۲) یا پھر اس سے دو راوی روایت کرنے والے انہیں میسر نہیں آئے۔

لیکن ظاہر ہے کہ دوسرا احتمال صحیح نہیں۔ کیونکہ ابو غطفان سے روایت کرنے والے متعدد ہیں۔ سنن دارقطنی ص ۱۵۹ اور ابو داؤد میں اس کا شاگرد علقمہ بن الاخنس مذکور ہے۔ اور صحیح مسلم ص ۱۷۳ ج ۲ میں اس کا دوسرا شاگرد عمرو بن حمزہ مذکور ہے۔ اور ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ امام دارقطنیؒ نے صحیح مسلم پر استدراک بھی لکھا ہے۔ تو لامحالہ صحیح مسلم میں اس کا دوسرا شاگرد "عمرو" بھی ان کے زیر نظر تھا۔ لیکن دو راوی ہونے کے باوجود وہ اسے مجہول کہتے ہیں آخر کیوں؟

(۴) امام دارقطنیؒ "سنن" میں ایک روایت کی سند یوں بیان فرماتے ہیں۔

حدثنا عبد اللہ بن احمد بن وهيب الدمشقی ثنا العباس بن الوليد بن مَزْيَدْ نا محمد بن شعيب بن شابور اخبرنی شيبان بن عبد الرحمان اخبرنی يونس بن ابی

اسحاق الہمدانی عن امہ العالیۃ بنت انفع قالت
حججت انا وام محبۃ" (الحدیث)
اس سند کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔
"ام محبۃ والعالیۃ مجھولتان لایحتج بھما" [1]
اس کے متصل بعد انہوں نے اس روایت کی ایک اور سند ذکر کی ہے جس میں " العالیہ" سے روایت کرنے والا اس کا خاوند یعنی ابو اسحاق ذکر کیا ہے۔ اب اس روایت میں العالیہ سے روایت کرنے والے دو افراد ہوئے یونس اور ابو اسحاق۔ یعنی باپ اور بیٹا۔ اور وہ دونوں ثقہ ہیں لیکن اس کے باوجود امام دارقطنیؒ " العالیہ" کو مجہول کہہ رہے ہیں۔
یہی نہیں ان کا یہ قول بعینہٖ ان کی دوسری کتاب "المؤتلف والمختلف" میں بھی مذکور ہے۔ محدث ڈیانوی نور اللہ مرقدہٗ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔
" قال الدارقطنی انھا (ای العالیہ) امراۃ تروی عن عائشۃ روی حدیثھا ابو اسحاق عن امراتہ العالیہ ورواہ ایضا یونس بن ابی اسحاق عن امہ العالیہ بنت انفع عن ام محبۃ عن عائشۃ وقال ام محبہ والعالیۃ مجھولتان لایحتج بھما" [2]

---

[1] سنن دارقطنی ص ۳۱۱   [2] التعلیق المغنی ص ۳۱۱

امام دارقطنیؒ کی ان دونوں عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ "العالیہ" کو مجہول قرار دیتے ہیں حالانکہ اس سے روایت کرنے والے دو افراد ہیں۔ علامہ سخاویؒ وغیرہ کے قول کے مطابق انہیں اسے ثقہ کہنا چاہیئے تھا۔ ولیس کذالک۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام موصوف کا وہی مسلک ہے جو جمہور محدثین کا ہے۔

(۳) موسیٰ بن ہلال کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں:۔

وفی اسئلۃ البرقانی انہ سأل الدارقطنی عن موسیٰ بن ھلال فقال ھو مجہول"[1]

یعنی برقانیؒ کے اسئلہ میں ہے کہ انہوں نے جب امام دارقطنیؒ سے موسیٰ بن ہلال کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا وہ مجہول ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ موسیٰ بن ہلال وہ راوی ہے جس سے روایت کرنے والے امام احمدؒ۔ الفضلؒ بن سہل، علیبۃؒ بن الوراق۔ محمدؒ بن جابر المحاربی، محمدؒ بن اسماعیل الاحمسی وغیرہ ہیں لیکن اس کے باوجود امام دارقطنیؒ اسے مجہول کہہ رہے ہیں۔

اس قسم کے متعدد راوی ہمارے زیرِ نظر ہیں جنہیں امام دارقطنی نے مجہول کہا ہے حالانکہ اس سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زائد راوی ہوتے۔ ان کا ذکر طوالت کا موجب ہوگا اسی لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں وفیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ

---

[1] لسان المیزان ص ۱۳۶ ج ۶

الغرض علامہ سخاویؒ نے جو مسلک امام دار قطنیؒ کی طرف منسوب کیا ہے وہ محلِ نظر ہے۔ سنن دار قطنی کی عبارت جسے انہوں نے معرض استشہاد میں پیش کیا ہے وہی فی الواقعہ اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ بلکہ ان کا مسلک اس سلسلہ میں بالکل وہی ہے جو جمہور محدثین کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ "لسان المیزان" میں امام ابن حبانؒ کا مسلک ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

هومذهب شيخه ابن خزيمة ولكن جهالة حاله باقية عند غيره" [1]

یعنی ابن حبانؒ کی طرح ان کے شیخ ابن خزیمہؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب جہالت عین ختم ہو جائے تو وہ راوی ثقہ ہوتا ہے۔ لیکن دیگر محدثین اس کے خلاف ہیں اور ظاہر ہے کہ "عند غیرہ" میں امام دار قطنیؒ شامل ہے تبھی تو متقدمین نے ان کی تصحیح و تضعیف پر اعتماد کیا ہے بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے تو بسا اوقات ایک مجہول الحال راوی کی روایت کو صحیح کہتے ہوئے امام دار قطنی کی توثیق کا سہارا لیا ہے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے جو روایت سنن میں بواسطہ زید بن عیاش ان الفاظ سے مروی ہے "سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسأل عن اشتراء الرطب بالتمر" (الحدیث) اس پر بحث کرتے ہوئے شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں زید بن عیاش مجہول ہے اور اس کے قائل امام ابو حنیفہؒ

---

[1] لسان المیزان ص ۱۴ ج ۱

طحاویؒ، ابن حزمؒ، الطبریؒ اور عبدالحقؒ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اس قول کی تردید کرتے ہوئے "التلخیص" میں رقمطراز ہیں:۔

"والجواب ان الدارقطنی قال انہ ثقۃ ثبت"۔[1]

جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ محدثین نے ان کی توثیق کا ایسی صورتوں میں بھی اعتماد کیا ہے۔ بنا بریں ان کی طرف اس قسم کے مسلک کی نسبت کسی صورت بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی اور تلاشِ بسیار کے باوجود ہمیں کوئی مقام بھی ایسا نہیں ملا جہاں آئمہ فن نے ان کی توثیق کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہو کہ وہ جہالت عین اٹھ جانے سے راوی کو ثقہ کہتے تھے بنا بریں ان کی توثیق معتبر نہیں اور نہ ہی متقدمین مثلاً خطیب بغدادیؒ علامہ نوویؒ۔ حافظ ابن الصلاحؒ حافظ زین الدین العراقیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی متداول کتب میں امام دارقطنیؒ کی وہ عبارت کہیں نظر آئی ہے جسے حافظ سخاویؒ نے "وعبارۃ الدارقطنی" کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ ممکن ہے حافظ سخاویؒ سے نقل عبارت میں تساہل ہو گیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم"

ایک دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

جرح و تعدیل کے سلسلہ میں امام دارقطنیؒ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے رواۃ پر بحث کرتے ہوئے نہایت بے احتیاطی سے کلام کیا ہے۔

---

[1] تلخیص الحبیر ص   نیل الاوطار ص ۱۹۹ ج ۵

مثلاً "محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ" ہیں کہ سنن ص ۲۶۴ پر تو اسے "ثقة فی حفظه شیئ" کہتے ہیں۔ اور آگے چل کر اسے ص ۸۹ پر ضعیف سیئ الحفظ قرار دے دیا ہے۔ اسی طرح عبدالرحمن بن ابراہیم القاص کو پہلے ص ۲۴۳ پر ثقہ اور اسی صفحہ پر اسے ضعیف بھی کہا ہے۔ اور ص ۱۳۴ پر ابن لھیعہ کو ضعیف کہنے کے باوجود اس کی حدیث کو حسن کہا ہے۔" [1]

لیکن اس قسم کا اعتراض وہی کرسکتا ہے جو اصولِ حدیث اور محدثین کی اصطلاح سے ناواقف ہو۔ چنانچہ ہم یہاں پہلے چند اصولی امور ذکر کر کے پھر ان مقامات کی وضاحت کریں گے۔

(۱) ایک راوی میں اس قسم کے مختلف اقوال مختلف حالات کے مطابق ہوتے ہیں۔ کبھی محدث مطلقاً کسی راوی کے متعلق حکم لگاتا ہے اور کبھی کسی سبب سے۔ مثلاً دوسرے راوی کے مقابلہ میں دوسرا حکم لگاتا ہے۔ مولانا امیر علی حنفیؒ فرماتے ہیں:۔

"اذا اختلف الاقوال عن امام لعينه فی رجل بعينه فربما يكون على وفق السوال وبالنسبة الى رجل آخر كما فی شرح السخاوی" [2]

اسی طرح علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:۔

" وعلى هذا يحمل اكثر ما ورد من الاختلاف

---

[1] احسن الکلام ص ۹۳ ج ۲ [2] التذنیب

فی کلام ائمۃ الجرح والتعدیل ممن وثق رجلاً
فی وقت وجرحہ فی وقت" [1]

(۲) اور کبھی ایک راوی کے متعلق ایک جگہ مطلقاً حکم لگاتے ہیں۔ دریں صورت وہ ثقہ ہوتا ہے لیکن کسی دوسرے خاص راوی سے روایت کرنے میں وہ ضعیف ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسماعیلؒ بن عیاش ہیں۔ کہ ان کی احادیث کو جمہور نے جب کہ وہ اہل حجاز سے روایت کریں ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

" اسماعیل بن عیاش ابو عتبۃ الحمصی شیخ الشامیین
لیس بالقوی وحدیثہ عن الحجازیین منکر" [2]

یا جیسے ابن جریج جب اہل بصرہ سے روایت کرتے ہیں تو وہ روایت معلول ہوتی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے" [3]

(۳) کبھی اختلاف جرح کا سبب اجتہاد کے بدل جانے کی بناء پر ہوتا ہے علامہ لکھنویؒ رقمطراز ہیں:۔

وقد یکون الاختلاف لتغیر اجتہادہ کما ھو احد
الاحتمالین فی قول الدارقطنی فی الحسن بن عفیر انہ
منکر وفی موضع آخر انہ متروک" [4]

---

[1] ظفر الامانی ص ۳۶ الرفع والتکمیل ص ۱۰۸ [2] من تکلم فیہ وھو موثق اس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے [3] النکت ورق ۹۳/۲۱۷
[4] ظفر الامانی ص ۳۶

(ہ) کبھی اختلاف کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ محدثین کسی ایک راوی پر ایک حکم لگاتے ہیں۔ لیکن حدیث میں اس کے ساتھ دوسرے راویوں کی موافقت و مخالفت کے اعتبار سے اس پر دوسرا حکم لگاتے ہیں۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے متعلق الفاظ جرح میں جو اختلاف "سنن دارقطنی" میں مذکور ہے اسی نوعیت کا ہے۔ چنانچہ امام دارقطنیؒ کی رائے اس کے متعلق یہی ہے کہ وہ صدوق سئی الحفظ ہے۔ چنانچہ سنن ص ۴۶ میں "طہارت منی" پر بحث کرتے ہوئے حضرت ابن عباس کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

" لم یرفعه غیر اسحاق الازرق من شریک عن محمد بن عبد الرحمٰن هو ابن ابی لیلیٰ ثقة فی حفظ شئ "

پھر اس کے بعد بواسطہ وکیع عن ابن ابی لیلیٰ اسی روایت کو موقوف ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اسے مرفوع ذکر کرنے میں اسحاق یا شریک نے غلطی کی ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے جو اسے موقوف ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ البتہ حافظہ میں خرابی تھی۔ ان کے اس طریق کی شہادت اس سے بھی ملتی ہے کہ اسی روایت کو امام شافعیؒ نے ابن عیینہؒ سے بواسطہ عمرو بن دینار و ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس موقوف ذکر کیا ہے۔

لہٰذا ابن ابی لیلیٰ ہی اس روایت کو موقوف ذکر نہیں کرتے بلکہ ان کی متابعت دیگر اصحاب نے بھی کی ہے۔ اور اسے مرفوع ذکر کرنے میں اسحاق یا شریک نے ہی غلطی کی ہے۔ لیکن ص ۸۹ پر چونکہ ابن ابی لیلیٰ نے امام سفیانؒ اور شعبہؒ کی مخالفت کی ہے کیونکہ یہ دونوں عبدالرحمٰن سے "اذان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم شفعاً شفعاً کے الفاظ مرسل ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ابن ابی لیلیٰ ہی اسے متصل ذکر کرتے ہیں۔ لہٰذا جب اس نے سفیانؒ اور شعبہؒ (جو جبل من جبال الحفظ کے ساتھ ملقب ہیں) کی مخالفت کی تو ان کے مقابلہ میں قاعدہ نمبرا کی بناء پر ضعیف ٹھہرے۔ بعینہٖ ص ۲۷۳ پر جو اسے ردی الحفظ کثیر الوھم کہا ہے تو اس کی وجہ بھی ثقات کی مخالفت ہے کیونکہ حضرت علیؓ سے "طواف واحد" ہی ذکر کیا ہے۔ لیکن "ابن ابی لیلیٰ" نے فطاف طوافا واحدا، سعی لھا سعیاین" کا اضافہ بھی کیا ہے۔

بنا بریں ثقات کے مقابلہ میں امام دارقطنیؒ نے اسے ردی الحفظ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان وجوہ کی بناء پر امام صاحب کے ان اقوال میں کوئی تعارض نظر نہیں آتا۔

رہا معاملہ عبدالرحمٰن بن ابراہیم کا تو اس کا جواب قاعدہ ثانیہ میں موجود ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن اگرچہ ثقہ ہے جیسا کہ امام دارقطنیؒ نے کہا ہے۔ لیکن علاء بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے جو روایت اس نے بیان کی ہے وہ منکر ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں:۔

"ومن مناکیرہ عن العلاء عن ابیہ عن ابی ھریرۃ مرفوعا من کان علیہ صوم رمضان فلیتردہ ولا یقطعہ اخرجہ الدارقطنی" [1]

---

[1] میزان الاعتدال ص ۹۷ ج ۲

اسی طرح امام ابو حاتم فرماتے ہیں

"روی حدیثاً منکراً عن العلاء" [1]

اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام دارقطنیؒ نے ثقہ کہنے کے بعد جو اسے ضعیف کہا ہے تو اس کی وجہ العلاء سے یہ روایت بیان کرنا ہے نہ یہ کہ وہ مطلقاً ضعیف ہے۔ ہماری اس توجیہ پر امام دارقطنیؒ کا انداز بھی شاہد ہے۔ چنانچہ اس مرفوع روایت کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل فرماتے ہیں۔

"نزلت فعدة من ایام اخر متتابعات فسقطت"

اس کے بعد فرماتے ہیں ھذا اسناد صحیح جو اس بات پر صاف دال ہے کہ وہ عبدالرحمٰن کی مندرجہ بالا روایت کو صحیح نہیں مانتے اور اگرچہ انہوں نے صراحۃً اسے ضعیف نہیں کہا۔ لیکن عبدالرحمٰن کی یہ روایت جو العلاء سے روایت کرنے کی وجہ سے منکر تھی جیسا کہ امام احمدؒ اور ابو حاتمؒ نے کہا ہے تو انہوں نے یہاں عبدالرحمٰن کو ضعیف کہہ کر اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

تیسرا اعتراض جو اس سلسلہ میں کیا گیا ہے وہ یہ کہ سنن ص ۱۴۴ پر ابن لھیعہ کو ضعیف کہنے کے باوجود اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ تو یہ اعتراض بھی درست نہیں کیونکہ ابن لھیعہ پر جرح اس کی ذات کے اعتبار سے ہے اور جو انہوں

---

[1] لسان المیزان ص ۴۰۲ ج ۳

نے اس کی سند کو حسن کہا ہے تو وہ باعتبار صحت متن کے ہے۔ امام ترمذیؒ نے بھی اس قسم کی احادیث کو متعدد مقامات پر حسن کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "النکت علی ابن الصلاح" میں اس کی متعدد امثلہ ذکر کی ہیں۔

البتہ یہاں ہم ایک اصولی مسئلہ کی طرف ناظرین کی توجہ دلاتے ہیں اور وہ یہ کہ آئمہ جرح و تعدیل کسی راوی پر جرح کرتے ہیں تو کبھی "لیس بالقوی" اور کبھی "لیس بقوی" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کتب رجال کی ورق گردانی اور تراجم رجال پر غور و فکر کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں الفاظ میں فرق ہے "لیس بقوی" میں تو راوی کے قوی ہونے کی نفی ہے۔ اور "لیس بالقوی" میں اس کے درجہ کاملہ کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ اور اس کی روایت درجہ حسن سے ساقط نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا امیر علی حنفیؒ نے بھی لکھا ہے:-

"یطلق لیس بالقوی علی الصدوق" [۱]

اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ الیمانی فرماتے ہیں:-

"کلمۃ لیس بقوی تنفی القوۃ مطلقا وان لم تثبت الضعف مطلقا وکلمۃ لیس بالقوی انما تنفی الدرجۃ الکاملۃ من القوۃ" [۲]

یہی وجہ ہے کہ الفاظ جرح میں ان کو "درجہ خامسہ" میں جگہ ملی ہے

---

[۱] التذنیب ص ۲۲ [۲] التنکیل ص ۲۳۲ ج ۱

جن کی روایت درجہ استشہاد سے قطعاً کم نہیں ہوتی۔ بلکہ شیخ محمد قائم سندھی نے "الفوز الکرام" میں علامہ سیوطیؒ کی "التعقبات" اور "النکت البدیعات" سے نقل کیا ہے کہ جس راوی کے متعلق "لیس بالقوی" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہوتی [1]

بایں صورت امام دار قطنیؒ نے ابن لہیعہ کو "لیس بالقوی" کہا ہے اور اس کی روایت مندرجہ بالا اصول کے پیش نظر حسن ہے۔ لہٰذا ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

الغرض الفاظ جرح و تعدیل میں اس قسم کا اختلاف متعدد وجوہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور اس نوعیت کے اختلاف کو لے کر محدثین پر طعن و تشنیع وہی شخص کر سکتا ہے جو ان کی اصطلاحات سے نا واقف ہو۔

مجھے تعجب ہے کہ "فقہاء" کے اقوال میں جب اس قسم کا تعارض و تخالف واقع ہوتا ہے تو یہ "حضرات" ان کی بے سروپا توجیہات و تاویلات کے درپے ہوتے ہیں لیکن اگر محدثین کے اقوال میں کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو ان پر اعتراض کرتے ہوئے پھولے نہیں سماتے اور پھر اس کے ثبوت میں سر تا پا نہ در صرف کرتے ہیں۔

ہم نے اپنے مقالہ "جرح و تعدیل اور اس کی اصطلاحات" میں اس موضوع پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے جسے ہم عنقریب ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ انشاء اللہ

---

[1] الفوز الکرام کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

امام دار قطنیؒ مدلس ہیں؟

امام دار قطنیؒ کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے ہم عبداللہ بن محمد ابو القاسم البغوی" کے تحت یہ ذکر کر چکے ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے " ابن طاہرؒ سے نقل کیا ہے کہ " امام دار قطنیؒ نے جو روایتیں " امام ابو القاسم البغویؒ" سے نہ سنی ہوتیں وہ انہیں " قرئ علی ابی القاسم البغوی حدثکم فلان" کے الفاظ سے بیان کرتے اس طرح وہ قدرے تدلیس سے کام لیتے اور یہ نہ کہتے کہ اسے میں نے سنا ہے"[1]

لیکن ان کی سنن کا مطالعہ کرنے والا طالب علم خوب جانتا ہے کہ امام دار قطنیؒ نے امام البغویؒ سے حدثنا اور سمعت کے الفاظ کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں " قرئ علی ابی القاسم " کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ساتھ ہی " وانا اسمع " کی صراحت بھی کی ہے۔ مثلاً " باب فی نضح الماء علی الفرج لبعد الوضوء " کے تحت پہلی روایت ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں :-

" حدثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز البغوی قرأۃ علیہ وانا اسمع "

اسی طرح کتاب الصلوٰۃ کی پہلی روایت کے الفاظ یوں ہیں :-

" قرئ علی ابی القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز وانا اسمع "

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۹ ج ۳ طبقات المدلسین لابن حجر

اور باب ذکر بیان المواقیت کی دسویں حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ "حدثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز قرأۃ علیہ"
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنن میں "امام ابوالقاسم البغوی" سے روایت کے وقت قرئ کے لفظ کے ساتھ "انا اسمع" کی صراحت کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

دراصل معلوم یوں ہوتا ہے کہ امام ابوالقاسم بغوی سے جس قدر انہوں نے روایات روایت کی ہیں وہ یا تو املاء کی صورت میں ہیں جیسا کہ سنن میں "باب صفۃ مایقول المصلی عند رکوعہ وسجودہ" میں فرماتے ہیں "حدثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز املاء"، اور یا قرأۃ کی صورت میں جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں۔ تو وہ ان کی روایات کو کبھی "حدثنا املاء" سے بیان کرتے ہیں اور کبھی قرئ وانا اسمع" سے اور کبھی "قرأۃ علیہ وانا اسمع"، اور کبھی "حدثنا البغوی قرأۃ علیہ" کے الفاظ سے اور کبھی صرف "حدثنا" کے لفظ پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ روایت انہوں نے امام بغوی سے یا تو بطور املاء اخذ کی ہوتی ہے اور یا "قرأۃ علیہ وانا اسمع" کے طریق سے۔ اسی طرح جہاں کہیں "قرئ علی ابی القاسم البغوی حدثکم فلان" کے الفاظ پر اکتفا کی ہے جو "موھم الی التدلیس" ہیں تو ان الفاظ سے یہ کسی صورت لازم نہیں آتا کہ انہوں نے یہ روایت امام بغوی سے سنی ہی نہیں۔ بلکہ وہ دراصل اپنی مسموعات کے دو طریق میں سے ایک طریق کی

وضاحت قریش کے الفاظ سے کرتے ہیں کہ یہ روایت بطور قراءۃ میں نے ان سے لی ہے نہ کہ بطریق املاء۔ جو ان کی دقت نظر پہ ایک بڑا بین دلیل ہے لیکن ابن طاہرؒ نے اسے تدلیس پہ محمول کیا ہے جو درست نہیں

میں یہ حروف لکھ چکا تھا کہ علامہ الحلبیؒ کی التبیین لاسماء المدلسین دیکھنے کا موقع ملا۔ جس کے آخر میں علامہ موصوف نے حافظ صلاح الدینؒ العلائی سے نقل کیا ہے کہ جس راوی نے اپنے شیخ سے روایات اجازۃ، مناولہ یا وجادہ کے طریق سے لی ہوں اور وہ انہیں اخبرنا سے بیان کرے تو اسے تدلیس کے باب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ پھر اس کی چند مثالیں ذکر کرتے ہوئے ابن طاہر مقدسی کا مندرجہ بالا قول جو انہوں نے امام دارقطنیؒ کے متعلق کہا ہے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی روایات انہوں نے امام بغویؒ سے یا تو اجازہ کی صورت میں لی ہیں تو یہ روایات متصل ہوئیں۔ یا پھر وجادہ کے طور پہ حاصل کی ہیں تو اس سے ان کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ تیسری صدی کے بعد تدلیس کا وجود انتہائی قلیل پایا جاتا ہے جیسا کہ امام حاکمؒ نے فرمایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

فاما ان یکون لہ من البغوی اجازۃ شاملۃ بمرویاتہ کلھا فیکون متصلا او لایکون کذالک فیکون وجادۃ وھو قد تحقق صحۃ ذالک عنہ علی ان التدلیس بعد ثلاثمأ نۃ یقل جدا قال الحاکم لااعرف فی المتاخرین من یذکر بہ الا

ابا بکر محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی فاللہ اعلم انتہیٰ"

الغرض امام دارقطنیؒ نے امام بغویؒ سے روایات بصورت اجازہ یا وجادہ لی ہوں یا پھر اپنی مرویات کے درمیان طریق اخذ کی وضاحت ہو کسی صورت میں بھی اسے تدلیس نہیں کہہ سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس فن پر لکھنے کا آغاز

فن جرح و تعدیل کی ابتداء اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے ہو چکی تھی لیکن اس کی تدوین کا آغاز دوسری صدی سے شروع ہوا اور حافظ ابن حجرؒ کے دور تک باقی رہا اس دور میں اہل علم و فضل نے اس پر متعدد کتابیں لکھیں۔ فنی اعتبار سے سب سے پہلے اس فن پر کلام کرنے والے امام شعبہؒ بن الحجاج ہیں اور سب سے پہلے اس فن پر امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کی کتاب کا نام لیا گیا ہے۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ نے ان ہی کی راہ اختیار کی علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

اوّل من جمع فی ذلک الامام یحییٰ بن سعید القطان و تکلم فیہ بعدہ تلامذتہ یحییٰ بن معین و علی بن المدینی و احمد بن حنبل و عمرو بن علی الفلاس و ابو خیثمۃ و تلامذتھم کابی زرعۃ و ابی حاتم و البخاری و مسلم و ابن اسحاق الجوزجانی و النسائی و ابن خزیمۃ و الترمذی و الدولابی و العقیلی و ابن عدی و ابو الفتح الازدی و الدارقطنی و الحاکم الی غیر ذلک" [۱]

---

[۱] میزان الاعتدال ص ۲ ج ۱

اس مختصر مقالہ میں ان جملہ محدثین کا ذکر تو بیشک طوالت کا موجب ہوگا تاہم بعض مشہور مولفین اور ان کی کتابوں کا تعارف ضروری ہے۔

(۱) امام محمدؒ بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ) انہوں نے اس فن پر تین کتابیں لکھی ہیں۔

ایک کتاب الضعفاء الصغیر اور دوسری کتاب الضعفاء الکبیر۔ اول الذکر ہندوستان سے دو مرتبہ طبع ہو چکی ہے اور دوسری غیر مطبوعہ ہے۔ تیسری کا نام "التاریخ الکبیر" ہے جو امام صاحب کا شاہکار ہے یہ ہندوستان میں چار مبسوط جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

(۲) امام احمدؒ بن شعیب النسائی" م ۳۰۳ھ کی اس فن پر دو کتابیں ہیں ایک کتاب الضعفاء

والمتروکین اور دوسری کتاب الجرح والتعدیل ہے۔ اول الذکر ہندوستان سے کتاب الضعفاء الصغیر امام بخاریؒ، کتاب المراسیل لابن ابی حاتمؒ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے

۳۔ ابو الفتح الازدیؒ محمد بن حسین ۳۷۴ھ علامہ ذہبیؒ نے ان کی کتاب کا ذکر ان الفاظ سے

کیا ہے۔ "لہ مصنف کبیر فی الضعفاء وھو قوی النفس" [1]

لیکن اس میں بعض مقامات ایسے ہیں جن پر علماء نے مواخذہ کیا ہے [2] جس کی وجہ غالباً ان کا متشدد ہونا ہے۔ جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ابان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۱۶۶ ج ۳ کشف الظنون ص ۸۲ ج ۱

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ابو الفتح الازدی

بن اسحاق اور ابراہیم بن محمد کے ترجمہ میں صراحت کی ہے۔

۴۔ عبدالرحمن بن ابی حاتمؒ (م ۳۲۷ھ) ان کی کتاب الجرح والتعدیل کے نام سے آٹھ مبسوط جلدوں میں حیدرآباد سے طبع ہو چکی ہے۔ نہایت مفید کتاب ہے جو زیادہ تر ان کے والد محترم امام ابوحاتمؒ اور امام ابوزرعہؒ سے اسئلہ کے جوابات پر مشتمل ہے

(۵) ابونعیم الجرجانی ۳۲۳ھ ان کا نام عبدالملک بن محمد ہے حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ ص ۳۵ ج ۳ میں انکا ترجمہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علامہ الکتانیؒ نے ان کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ " هو فی عشرۃ اجزاء "

(۶) ابوجعفر العقیلیؒ (م ۳۲۳ھ) ان کی اس فن پر کتاب الضعفاء الکبیر اور کتاب الجرح والتعدیل کے نام سے دو کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ کتاب الضعفاء کا قلمی نسخہ حضرت سید بدیع الدین مدظلہ العالی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ حافظ عقیلیؒ جرح میں متشدد ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے امام علیؒ بن المدینی کو بھی الضعفاء میں داخل کیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے ان کے اس رویّے سے برہم ہو کر یہاں تک فرمادیا۔

"فما لک عقل یا عقیلی اتدری فیمن یتکلم" [1]

۷۔ ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانیؒ ۲۵۹ھ۔ ان کی کتاب

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ علی بن المدینی

الجرح والتعدیل کے نام سے مشہور ہے۔ وہ چونکہ اہلِ دمشق کے مسلک (یعنی ناصبیت) کی طرف مائل تھے جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ اسی وجہ سے اہلِ کوفہ کے متعلق ان کی جرح معتبر قرار نہیں دی گئی جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ابان بن تغلب کے ترجمہ میں تصریح کی ہے [1]

۸۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستیؒ ان کی اس فن پر دو کتابیں ہیں (۱) کتاب الضعفاء (۲) کتاب الثقات

کتاب الثقات میں انہوں نے بعض ایسے راویوں کو بھی ذکر کیا ہے جن کو انہوں نے کتاب الضعفاء میں داخل کیا ہے۔ علمائے فن نے ان کے اس انداز کو تساہل یا تغیّرِ اجتہاد پر محمول کیا ہے۔ ان کے تشدد و تساہل کی طرف اشارہ ہم اس سے قبل کر آئے ہیں۔ وللتفصیل موضع آخر

۹۔ امام ابو الحسنؒ احمد بن عبد اللہ العجلی (۲۶۱ھ) علامہ ذہبیؒ سے علامہ الکتانیؒ نے نقل کیا ہے۔ "وھو کتاب مفید یدل علی سعة حفظه"

۱۰۔ امام ابو احمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابن عدی (۳۶۵ھ)

ان کی کتاب کا نام "الکامل" ہے۔ یہ کتاب ساٹھ اجزاء میں ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے جیسا کہ علامہ الکتانیؒ نے لکھا ہے۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون

---

[1] تہذیب التہذیب ولسان المیزان

میں فرماتے ہیں :-

"ھو اکمل کتب الجرح والتعدیل وعلیہ اعتماد الائمۃ"

امام دارقطنی رح کا قول اس کتاب کے متعلق گزر چکا ہے۔ علامہ سخاوی رح فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اسم بامسمّیٰ ہے۔ امام ابن عدی نے اس میں ہر اس راوی کو ذکر کیا ہے جس پر محدثین نے ادنیٰ کلام بھی کی ہے۔

(۱۱) علامہ عبدالرحمٰن ابوالفرج ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) ان کی کتاب اس فن پر کافی مفید ہے۔ علامہ ذہبی رح نے میزان الاعتدال میں ابان العطار کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ صرف الفاظ جرح ہی نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ اُن کی کتاب کے عیوب میں شمار ہوتا ہے لیکن اس قول کو قواعد کلیہ منطقیہ کی حیثیت نہیں دی جا سکتی ہمیں کتاب الضعفاء کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ جس میں بسا اوقات الفاظ تعدیل و توثیق بھی منقول ہیں۔

۱۲۔ حافظ عبدالغنی المقدسی رح (م ۶۰۰ھ) فن رجال پر گو متقدمین نے متعدد کتابیں لکھی ہیں لیکن متاخرین میں حافظ المقدسی رح خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حافظ ابوالفضل رح کی طرح انہوں نے بھی ابن ماجہ کو چھٹی کتاب شمار کیا ہے۔ ان کی کتاب کا نام "الکمال فی اسماء الرجال" ہے۔ جو دس جلدوں میں ہے۔ بعد میں آنے والے سبھی حضرات اسی کے خوشہ چین ہیں مگر اس میں رواۃ کی تاریخ ولادت اور وفیات کے بیان کرنے میں قدرے طوالت سے کام لیا گیا ہے۔ حافظ ذہبی رح نے ان کا ذکر

"تذکرہ" میں تفصیلاً کیا ہے۔

۱۳۔ حافظ ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمن المزّی (۷۴۲ھ)

یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ہم سبق اور حافظ ذہبیؒ کے مشائخ سے ہیں۔ انہوں نے اپنے "تذکرہ" کی انتہا انہی کے ترجمہ پر کی ہے۔ علامہ المزّیؒ کی کتاب کا نام "تہذیب الکمال" ہے جو حافظ المقدسیؒ کی "الکمال" کا ملخص اور زیادات پر مشتمل ہے۔ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں

"اجمع علی انہ لم یصنف مثلہ ولا یستطاع"

علامہ ذہبیؒ کے قول کے مطابق یہ کتاب ایک سو اجزاء پر مشتمل ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ انہوں نے تہذیب پر کافی کوشش کی ہے لیکن صحاح ستہ کے بعض راویوں کے متعلق انہیں علم نہیں ہو سکا جس کی بناء پر ان کے تراجم اس میں مذکور نہیں بلکہ بسا اوقات روی عن فلان اور روی عنہ فلان، اخرج لہ فلان پر ہی اکتفا کی ہے۔ اسی طرح اصحاب ستہ کی بعض دوسری تصانیف پر تو بالکل ہی کام نہیں کیا جن میں برالوالدین للبخاری، کتاب الانتفاع باھاب السباع لمسلم۔ کتاب الزھد۔ دلائل النبوۃ۔ الدعا ابتداء الوحی۔ اخبار الخوارج لابی داؤد۔ عمل الیوم واللیلہ۔ خصائص علیؓ للنسائی شامل ہیں۔

اسی بناء پر بعض حضرات کا کہنا ہے کہ علامہ المزیؒ اسے مکمل نہیں کر سکے

بلکہ بعد میں حافظ علاؤ الدین مغلطائی ۷۶۲ھ نے اس کی تکمیل تیرہ جلدوں میں کی۔

بہرحال کتاب مجموعی اعتبار سے بے مثال ہے۔ متاخرین نے اسے اس قدر اہمیت دی کہ متعدد اہل علم نے اس کا اختصار کیا۔ جیسا کہ حاجی خلیفہ نے ذکر کیا ہے۔ لیکن ان میں زیادہ مشہور اختصار علامہ ذہبیؒ کا ہے۔

(۱۴) حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۷۴۸ھ)

ان کی اس فن میں گرانقدر اور متعدد تصانیف ہیں۔ علمائے متقدمین کی کتابوں کو مختصر کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ حافظ المزی کی کتاب کا اختصار انہوں نے "تذہیب تہذیب الکمال" کے نام سے کیا۔ لیکن یہ محض اختصار نہیں بلکہ مزید فنی معلومات کو بھی انہوں نے جمع کر دیا ہے۔ البتہ اس میں بعض مقامات پر ان سے سہو ہو گیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے اس فن پر ایک درجن سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ جن سے اس فن کے متعلق ان کے تبحر کا پتہ چلتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں سچ کہا ہے۔

"لہ استقراء تام فی نقد الرجال"

ہم ان کا ذکر یہاں انتہائی اختصار سے کرتے ہیں:۔

(۱) تاریخ الاسلام الکبیر" علامہ ذہبیؒ کی یہ کتاب اہم اور بڑی ضخیم

ہے۔ جو اکیس ۲۱ جلدوں میں ہے اس میں انہوں نے علامہ ابن ماکولا کے اشارے کے مطابق ابتداء اسلام سے لے کر اپنے دور تک تمام واقعات سنہ وار تحریر کئے ہیں۔ اور ہر دس سال کے حوادثات کو ایک طبقہ شمار کیا ہے اور ہر صدی کے علماء وفضلاء کے مختصر تراجم بھی بیان کئے ہیں۔ لہٰذا یہ کتاب محض حوادثات پر مشتمل نہیں۔ بلکہ حوادث ورجال دونوں کی تاریخ کا ذخیرہ ہے۔ اس کا مکمل نسخہ ابھی تک پردۂ خفا میں ہے البتہ متفرق اجزاء حسب ذیل مقامات سے ملتے ہیں:۔

ابتداء سے سنہ ۷۰ھ تک کے حالات پر جو جلد مشتمل ہے وہ کتب خانہ پیرس اور سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک کا حصہ کتب خانہ جامع تونس میں اور ۱۸۱ھ سے سنہ ۲۰۰ھ کا حصہ مصر کے کتب خانہ خدیوی میں ہے اور یہ مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سنہ ۳۰۱ھ سے سنہ ۴۰۰ھ تک کا حصہ کتب خانہ پیرس میں سنہ ۵۵۱ھ سے سنہ ۶۰۰ھ تک کا حصہ برٹش میوزیم لندن میں ہے۔ سنہ ۵۰۱ھ سے سنہ ۵۳۰ھ کا دوسرا ناقص حصہ کتب خانہ مصر میں اور سنہ ۵۰۱ھ سے سنہ ۶۲۰ھ تک کتب خانہ پیرس میں۔ سنہ ۶۰۱ھ سے سنہ ۶۶۰ھ تک کا حصہ برٹش میوزیم لندن میں ہے اور اس کا ابتدائی حصہ جو عہد عباسیہ کے اوائل کا ہے وہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں بھی ہے [۱]۔

(۲) "تذکرۃ الحفاظ" یہ علم دین کے باکمال ماہرین کا تذکرہ ہے جنہیں

---

[۱] معارف ج ۳۶ عـ۵ ص ۳۶۶

حسب مراتب ۲۱ طبقوں پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے اہل علم کا مختصر تذکرہ حروف تہجی کی ترتیب کا لحاظ رکھے بغیر کیا ہے۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور علامہ المزیؒ کے حالات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۰۹ھ میں حیدر آباد سے یہ عظیم المرتبت کتاب طبع ہو چکی ہے۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن مع ذیل کے بور طبع سے آراستہ ہو کر بازار میں آچکا ہے

(۳) **میزان الاعتدال** - اس میں مولف نے حروف معجم کی ترتیب پر دس ہزار نو سو سات (۱۰۹۰۷) مختلف فیہ راویوں کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے مختصر کیا اور اس پر اضافے بھی کیے جس کا نام "لسان المیزان" رکھا یہ کتاب پہلی مرتبہ لکھنؤ میں دو جلدوں میں مولانا عبدالحئی لکھنوی کی کوشش سے طبع ہوئی۔ پھر ۱۳۲۵ھ میں مصر سے تین جلدوں میں شائع ہوئی اور اب مصر ہی سے اس کا تیسرا ایڈیشن چار جلدوں میں چھپ کر آچکا ہے۔
جسے دوسرے بعض نسخوں سے مقابلہ کر کے اور تصحیح کے بعد بڑے اہتمام سے طبع کروایا گیا ہے۔

(۴) **الکاشف فی اسماء الرجال** :- یہ کتاب تذہیب التہذیب کا کا اختصار ہے اس کے قلمی نسخے بانکی پور۔ رام پور اور کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ اس کا ایک عمدہ نسخہ شیخ عبدالحق دہلویؒ کے والد محترم کا ہے جو حکیم حبیب الرحمن کے پاس ڈھاکہ میں تھا معلوم نہیں حکیم صاحب ان دنوں بقید حیات ہیں یا اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

(۵) **المغنی فی الضعفاء** - حاجی خلیفہ کے قول کے مطابق مولف نے

ابن معینؒ۔ امام بخاریؒ، ابوزرعہؒ۔ ابوحاتمؒ، دارقطنیؒ۔ الدولابیؒ۔ حاکمؒ، خطیب بغدادیؒ اور ابن جوزیؒ کی کتابوں سے ضعیف راویوں کو جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب ان دنوں مدینہ منورہ سے شائع ہو رہی ہے

(۶) من تکلم فیہ وھو موثق:۔ اس میں ان رواۃ کا ذکر ہے جن پر کلام کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا سید بدیع الدین صاحب پیر آف جھنڈا کے مکتبہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ الحمد للہ۔ اس کا قلمی نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس میں ۳۹۹ راویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک مجموعہ میں مطبوع بھی ہے۔

(۷) المنظومۃ فی المدلسین:۔ اس میں مدلس راویوں کو نظم میں جمع کیا گیا ہے۔ اس کا بھی قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اس کے علاوہ علامہ ذہبیؒ کی اسی فن سے متعلق درج ذیل کتابیں ہیں۔

(۱) المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ۔ (۲) المنظومۃ فی اسماء الحفاظ (۳) سیر النبلاء (۴) العبر فی خبر من غبر (مطبوع) (۵) طبقات الحفاظ (۶) دول الاسلام (۷) تجرید اسماء الصحابۃ (۸) شیوخ الائمۃ الستۃ (۹) دیوان الضعفاء (۱۰) المجرد لاسماء الرجال ابن ماجہ (۱۱) قرۃ العین فی ضبط رجال الصحیحین (مطبوع)

۱۵۔ حافظ الدنیا احمدؒ بن علی العسقلانی المعروف با بن حجر (۸۵۲ھ)

نے بھی اس فن پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے درج ذیل زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) **تہذیب التہذیب**۔ یہ علامہ المزیؒ کی تہذیب کا اختصار ہے اور یہی کتاب ہے کہ متاخرین نے صحاح ستہ کے راویوں کے لئے اس پر اعتماد کیا ہے۔ بلکہ خود مؤلف نے اس پر رضامندی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ الشوکانیؒ رقمطراز ہیں۔

"قال لست راضیا عن شیئ من تصانیفی لانی عملتها فی ابتداء الامر ثم لم یتهیأ لی من یحررها معی سوی شرح البخاری ومقدمته والمشتبه والتهذیب ولسان المیزان" [1]

تہذیب التہذیب میں انہوں نے جرح و تعدیل کی بعض باتوں کا اختصار کر دیا ہے جنہیں علامہ المزیؒ نے مترجمین کے تراجم میں ذکر کیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں ان کے متن کی طرف اختصاراً اشارہ فرما جاتے ہیں ــــ اور راوی کے شیوخ اور مروی عنہ کے ذکر کرنے میں اختصار کے ساتھ ساتھ ان کے ذکر کرنے میں حروف معجم کا خیال بھی نہیں رکھا۔ البتہ راوی کا بیٹا یا کوئی رشتہ دار اس کا شیخ یا تلمیذ ہو تو اسے مقدم کیا ہے۔ اور انہوں نے ان رجال کو بھی ذکر کیا ہے جنہیں حافظ المزیؒ نے ذکر نہیں کیا۔ اور علامہ مغلطائیؒ اور حافظ ذہبیؒ کی کتابوں سے بھی انہوں نے جابجا استفادہ کیا ہے۔ بایں وجہ یہ اب صرف تہذیب الکمال کا اختصار نہ رہا بلکہ اسے مستقل حیثیت حاصل ہو گئی

---

[1] بدرالطالع ص ۹۸ ج ۱ تاج المکلل ص ۲۷۰

مؤلف ابن علی شاہکار سے ۹ رجمادی الاخری ۸۲۸ھ میں اس کی تسوید سے فارغ ہوئے تھے۔

یہ کتاب سب سے پہلے حیدر آباد سے ۱۳۲۶ھ میں دائرۃ المعارف النظامیہ نے شائع کی اور اب کویت سے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ **تقریب التہذیب** ۔ یہ تہذیب التہذیب کا اختصار ہے جس میں انہوں نے صحاح ستہ کے رجال کے علاوہ اصحاب صحاح کی دوسری کتابوں کے رجال کا بھی ذکر کیا ہے۔ تقریب کے ابتداء میں انہوں نے ایک مفید مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں راویوں کے طبقات اور الفاظ جرح و تعدیل کے مراتب و مدارج کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن یہ طبقات اور جرح و تعدیل کے مراتب اسی کتاب سے مختص ہیں۔ اسے عام قرار دینا درست نہیں۔ مقدمہ تقریب میں انہوں نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ جرح و تعدیل میں جو قول ان کے نزدیک راجح ہو گا اسے ہی نقل کرنے پہ اکتفا کریں گے لیکن ہم ان کے اس قول سے علی الاطلاق متفق نہیں و للتفصیل موضع آخر۔

تقریب التہذیب ہندوستان اور مصر سے بارہا طبع ہو چکی ہے۔ ہندوستان کے بعض نسخوں کے ساتھ مولانا امیر علیؒ کی تعقیب اور التذنیب بھی ملحق ہے جو اپنی جگہ پر دو اہم رسالے ہیں۔ اور بعض نسخوں کے ساتھ "المغنی" مطبوع ہے جس سے ضبط اسماء کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے۔

۳۔ **لسان المیزان** ۔ یہ میزان الاعتدال کا اختصار مع زیادات ہے۔ حیدر آباد سے ۶ مجلد میں طبع ہو چکی ہے۔

(۴) **تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ** ۔ اس میں انہوں نے موطا مالکؒ ۔ مسند شافعیؒ مسند احمدؒ ، اور مسند ابو حنیفہؒ کے ان زائد راویوں کا ذکر کیا ہے جو تہذیب التہذیب کے علاوہ ہیں، حیدر آباد سے یہ کتاب طبع ہو چکی ہے ۔

میزان الاعتدال اور لسان المیزان

ضعیف اور متکلم فیہ راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے یوں تو بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان تمام میں یہ دونوں کتابیں سب سے معتبر اور جامع قرار دی گئی ہیں ۔ شاہ عبد العزیزؒ نے درجہ رابعہ و خامسہ کی کتابوں کے راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے ان ہی کی طرف خاص توجہ دلائی ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"اگر کسے را رغبت تحقیق این کتب باشد میزان الضعفاء ذھبی و لسان ابن حجر برائے احوال رجال این کتب بکارش مے آید" [۱]

۱۶ ۔ علامہ صفی الدین احمدؒ بن عبد اللہ الخزرجی الساعدی

ان کی کتاب کا نام "خلاصہ تذھیب الکمال" ہے جو مصر سے طبع ہو چکی ہے ۔ یہ بھی علامہ ذھبیؒ کی تذہیب کا خلاصہ ہے ۔

---

[۱] عجالہ نافعہ [۲] تقریب مع التدریب ص ۴۶۴

یہ ہیں وہ مشہور کتابیں اور ان کے مؤلفین جو فن جرح و تعدیل میں زیادہ تر مشہور و معروف ہیں۔ ہم نے اپنے مقالہ "جرح و تعدیل" میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور اس فن میں متعدد کتابوں کی نشان دہی کی ہے۔

(۷) المؤتلف والمختلف :- حدیث کے جملہ علوم میں ایک علم "المؤتلف والمختلف"

بھی ہے۔ جس میں ان اسمار کی وضاحت ہوتی ہے جو ہم شکل و ہم صورت ہوتے ہیں لیکن بلحاظ تلفظ ان میں تغایر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں قیاس و ضابطہ کو کوئی دخل نہیں۔ اور نہ ہی قرائن اس میں معاون ہو سکتے ہیں۔ علامہ نوویؒ اس فن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

▪ هو فن جليل يقبح جهله باهل العلم لاسيما اهل الحديث ومن لم يكثر خطوله" [1]

امام ابن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فن علوم حدیث میں سے اشد ترین ہے کیونکہ اس میں قیاس وغیرہ کو بالکل دخل نہیں [2]

دیگر فنون حدیث کی طرح اس فن کو جو اہمیت حاصل ہے وہ بالکل واضح ہے۔ ہماری تتبع و جستجو کے مطابق امام دار قطنیؒ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فن پر یہ کتاب لکھی۔ اور ان سے قبل کسی نے بھی اس پر توجہ نہیں کی۔ امام دار قطنیؒ کے بعد جملہ اصحاب دانش و فکر نے ان ہی کی اتباع میں مختلف کتابیں

---

[1] تقریب مع التدریب ص ۴۴۱ [2] شرح نخبۃ الفکر

تصنیف کیں۔ علامہ الکتانیؒ امام دارقطنیؒ کی کتاب کے متعلق فرماتے ہیں :۔

کتاب المختلف والموتلف للدارقطنی وھو کتاب حافل[1]

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں۔

"لہ فیہ تصنیف مفید"[2]

امام دارقطنیؒ کو اس فن پر کافی ملکہ حاصل تھا۔ خطیب بغدادیؒ۔ رجاءؒ بن محمد الانصاری سے نقل کرتے ہیں کہ ہم امام دارقطنیؒ کے پاس تھے کہ ایک طالب علم حدیث کی قرأت کر رہا تھا اور امام دارقطنیؒ نماز پڑھ رہے تھے قاری اچانک ایک ایسی حدیث سے گزرا جس میں ایک راوی نسیر بن ذعلون تھا لیکن قاری نے اسے بشیر بن ذعلون پڑھا۔ امام دارقطنیؒ نے جب یہ سنا تو نماز کی حالت میں سبحان اللہ کہا۔ قاری نے دوسری مرتبہ یُسَیر بن ذعلون پڑھا۔ امام صاحب نے یہ سن کر نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ کہا۔ تو قاری سمجھ گیا۔ اور اس نے اپنی غلطی کو درست کر لیا۔

اسی طرح ایک واقعہ خطیب بغدادیؒ نے حمزہ بن محمد سے یوں نقل کیا ہے کہ امام صاحب نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو عبداللہ بن الکاتب نے ایک روایت پڑھی جو عمرو بن شعیب کے طریق سے مروی تھی۔ لیکن انہوں نے اسے عمرو بن سعید پڑھا۔ یہ سن کر امام صاحبؒ نے نماز کی حالت میں سبحان اللہ کہا۔ ابو عبداللہؒ نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو عمرو پڑھ کر رک گئے۔ امام صاحبؒ نے یہ سن کر

---

[1] الرسالہ ص ۹۶ [2] مقدمہ ابن الصلاح

یہ آیت تلاوت کی "یَا شُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُ اَنْ نَتْرُكَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا" (الآیہ)

یہ سن کر ابو عبداللہؒ بن کاتب نے اپنی غلطی کی تصحیح کر لی۔ اس قسم کے واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ امام دار قطنیؒ کو اس فن میں کس قدر بصیرت حاصل تھی۔ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ امام دار قطنیؒ کی یہ کتاب کتب خانہ محمودیہ اسکندریہ میں موجود ہے [1]

امام دار قطنیؒ کے بعد اس فن پر لکھنے والے

امام دار قطنیؒ کے بعد اس فن پر لکھنے والوں میں ان کے شاگرد حافظ عبد الغنیؒ بن سعید المصری (۴۰۹ھ) سر فہرست ہیں ان کی کتاب دراصل امام موصوف ہی کے فرمودات کا مجموعہ ہے [2]

حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق انہوں نے اس فن پر دو کتابیں لکھی ہیں مشتبہ النسبہ اور دوسری مشتبہ الاسماء۔ حافظ عبد الغنی اول الذکر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

"اما بعد فانی لما صنفت کتابی فی مؤتلف اسماء المحدثین ومختلفها نظرت فاذا من ینسب منھم الی قبیلۃ او بلدۃ او صنعۃ قد یقع فیہ من التصحیف والتحریف

---

[1] مقالات سید سلیمان ندوی ص ۱۷۳ ج ۲ [2] مفتاح السنۃ ص ۱۵۶

فیہ مثل ما یقع فی التحریف فی الاسماء والکنٰی التی حواھا کتاب المؤتلف والمختلف الذی تقدم تصنیفی ایاہ قبل ھذا الکتاب وغیرہ فاستخرت اللّٰہ تعالٰی والفت کتابا فی النسب منھم الی قبیلۃ اوبلدۃ اوصنعۃ یشتبہ انتسابہ فی الخط ویفترق فی اللفظ والمعنٰی علی من لیس لہ بذٰلک علم ولا لہ بہ درایۃ انتھٰی"۔[1]

امام دار قطنیؒ کی کتاب کا اختصار حافظ عبداللہ بن علی الرُّشاطی (۵۴۲ھ) نے کیا جس کا نام "اعلام بما فی المؤتلف والمختلف للدارقطنی من الایہام" رکھا۔

اسی طرح خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) نے امام دار قطنیؒ اور حافظ عبد الغنیؒ کی کتابوں کو یکجا جمع کیا اور اس میں بعض مقامات پر اضافہ بھی کیا اور اس کا نام "المؤتلف تکملۃ المختلف" رکھا۔[2] اس کے بعد امیر ابن ماکولاؒ نے اس پر اضافہ کر کے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام "الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنٰی والانساب" رکھا جو اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے۔ امیر ابن ماکولا اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"جب میں نے خطیب کی کتاب جو دار قطنی اور عبد الغنی کی

---

[1] مقدمہ مشتبہ النسبۃ ص ۲ ظفر الامانی ص ۱۸۵ ومقدمہ تحفۃ الاحوذی

[2] الرسالہ ص ۹۷

المؤتلف والمختلف اور عبدالغنی کی مشتبہ النسبۃ کا تکملہ
ہے، دیکھی تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ انہوں نے بہت سی ایسی باتوں
سے بھی تعرض کیا ہے جنہیں ان دونوں نے ذکر نہیں کیا اور کبھی ان دونوں
یا ایک کے کسی بیان کی تکرار کر جاتے ہیں اور کبھی ان دونوں کی
تغلیط میں خود غلطی کر جاتے ہیں۔ یا پھر ان دونوں کی واقعی غلطیوں
پر متنبہ نہیں کرتے رہیں۔ اور کبھی خود انہیں وہم ہو جاتا ہے۔ تو
میں نے مناسب جانا کہ ایک ایسی کتاب مرتب کروں جو تمام کی جامع
اور ان اسماء پر مشتمل ہو جو ان کتابوں میں مذکور نہیں اور جن
اسماء کے بارہ میں کوئی اشکال نہیں، انہیں چھوڑ دوں اور جن میں وہم
یا اختلاف ہو اسے صحیح طور پر بیان کر دوں۔" [1]

امام حمیدیؒ کا قول اس کتاب کی اہمیت سے متعلق پہلے گزر چکا ہے
حافظ ابن حجرؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ثم جمع الجمیع ابونصر ابن ماکولا فی کتاب الاکمال و
استدرک علیھم فی کتاب آخر فجمع فیہ اوھامھم وبینھا
وکتابہ من اجمع من جمع فی ذلک وھو عمدۃ کل
محدث بعدہٗ" [2]

علامہ الکتانیؒ فرماتے ہیں:۔

"ھو فی مجلدین فی غایۃ الافادۃ وعلیہا اعتماد المحدثین وما

---

[1] مقدمہ کتاب الاکمال لابن ماکولا [2] شرح نخبۃ الفکر

یحتاج الامیر ابو نصر معه الی فضیلة اخری" [1]

اسی طرح مورخ ابن خلکانؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب الفاظ کے ضبط اور تقیید کرنے میں انتہائی سود مند ہے۔ محدثینؒ نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں۔ نیز امیر کے فضل و مرتبت کے لئے یہی کتاب کافی ہے جس سے ان کی وسعتِ علم، کثرت اطلاع اور ضبط و اتقان کا پتہ چلتا ہے۔

امیر ابنؒ ماکولا کی کتاب ان دنوں حیدرآباد سے شیخ عبدالرحمٰن الیمانی کی تحقیق سے طبع ہو رہی ہے، جس کی چھ جلدیں آ گئی ہیں اور ابھی یہ حرف العین تک پہنچی ہے، جس سے اس کی جامعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امیر ابنؒ ماکولا کی اس کتاب پر حافظ معین الدینؒ ابوبکر محمد بن عبدالغنی المعروف بابن نقطہ (۶۲۹ھ) نے ذیل لکھا ہے۔ علامہ الکتانیؒ فرماتے ہیں:-

"فذیله بما فاته او تجدد بعده وهو ذیل مفید قدر ثلثی الاصل قال الذهبی وهو مبنی بامامته وحفظه" [2]

اس کے بعد حافظ جمال الدینؒ ابن الصابونی (۶۸۰ھ) اور حافظ منصورؒ بن سلیم (۶۷۳ھ) نے اس پر ایک ذیل لکھا۔ اسی طرح حافظ مغلطائیؒ (۷۶۲ھ) نے بھی ایک ذیل لکھا۔ جس میں شعراء کے اسماء و انساب کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس میں اکثر اوہام ہیں۔ جیسا کہ علامہ الکتانیؒ نے تصریح کی ہے۔

---

[1] الرسالة ص ۹۷

[2] الرسالة ص ۹۷

اسی موضوع پر حافظ ذہبیؒ نے ایک کتاب "المشتبہ فی اسماء الرجال" لکھی جو ۱۸۶۳ء میں لندن سے شائع ہو چکی ہے۔ لیکن مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ الفاظ کا ضبط چونکہ قلم ہی سے کیا گیا ہے بنا بریں اس میں اکثر غلطیاں پائی جاتی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے بعد میں اس پر استدراک لکھا جس کا نام "تبصیر المنتبہ فی تحریر المشتبہ" رکھا۔ علامہ سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں۔

فجاء شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر فالف تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ فضمہ وحررہ وضبطہ بالحروف و استدرک ما فاتہ فی مجلد ضخم وھو اجل کتب ھذا النوع۔"

حافظ ابن حجرؒ کی اس کتاب کا قلمی نسخہ علامہ سورتیؒ کے کتب خانہ اور بانکی پور اور رام پور کی لائبریری میں موجود ہے۔ لیکن اب وہ چار جلدوں میں مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

یہ اس فن پر مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ اس موضوع پر یحییٰ بن علی الحضریؒ محمد بن احمد ۵۰۰ھ، عبدالرزاق المعروف بابن الفوطی ۷۲۳ھ اور علامہ الماردینیؒ ۷۵۰ھ وغیرہ کی تصانیف کا بھی ذکر ملتا ہے۔

۸۔ کتاب المدلسین: حافظ ابن حجرؒ نے "طبقات المدلسین" کے مقدمہ میں امام دارقطنیؒ کی اس تصنیف کا ذکر کیا ہے تالیف کے اعتبار سے یہ کتاب تیسرے نمبر پر ہے۔ سب سے پہلے اس فن پر

حسینؒ بن علی الکرابیسی صاحب الشافعی ۲۴۵ھ کی تصنیف ہے۔ پھر اس کے بعد امام نسائیؒ نے کتاب لکھی۔ حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں " حجاج بن ارطاط" کے ترجمہ میں امام نسائیؒ سے ایک مجموعہ مدلسین کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد امام دارقطنیؒ نے کتاب المدلسین کے نام پر ایک رسالہ لکھا۔

ان کے بعد خطیب بغدادیؒ نے " التبیین لاسماء المدلسین" میں مدلسین کو ایک جگہ جمع کیا۔ حافظ ذہبیؒ نے بعد میں ان اسماء کو نظم کیا۔ ان کے بعد ان کے تلمیذ حافظ ابو محمودؒ احمد بن المقدسی نے مدلسین کو ایک ارجوزہ میں جمع کیا۔ حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابو محمودؒ کے ارجوزہ کا خطی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی اس موضوع پر رسائل لکھے گئے۔ لیکن ان سب میں حافظ ابراہیمؒ بن محمد حلبی ۸۴۱ھ کا رسالہ "التبیین لاسماء المدلسین" اور حافظ ابن حجرؒ کا " طبقات المدلسین" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کی تصریح کے مطابق " التبیین" میں ۱۱۲ مدلس راویوں کا ذکر ہے۔ کافی دیر ہوئی کہ ہم نے اس کا مطبوعہ نسخہ دیکھا تھا۔ حال ہی میں حضرت مولانا فیض الرحمٰن الثوری مدظلہ العالی کی وساطت سے حضرت مولانا عبدالتوابؒ ملتانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ ملا جس میں تقریباً کل ۹۶ مدلسین کا ذکر ہے واللہ تعالیٰ اعلم — حافظ ابن حجرؒ کے رسالہ میں ۱۵۲ مدلسین کا ذکر ہے لیکن اس کے باوجود بعض ایسے مدلس راوی بھی ملتے ہیں جن کا ذکر دونوں کتابوں میں نہیں ملتا۔ طبقات المدلسین میں بعض مقامات پر فحش خطی غلطیاں ہیں۔ البتہ

توفیق عطا فرمائیں تو "طبقات المدلسین" کو دوبارہ منقح کرکے مع الزوائد شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

۹۔ کتاب التصحیف:۔ معرفۃ علوم الحدیث کا ایک شعبہ تصحیف بھی ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ اس فن سے واقفیت کے لئے خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ پھر بھی بقول امام احمدؒ کون ہے جو تصحیف وخطا سے بچ سکا ہو[۱]

اس قسم کے مشکل اور ادق موضوع پر امام دارقطنیؒ کی کتاب ان کی قدر و منزلت کو مزید اجاگر کرتی ہے۔ حاجی خلیفہؒ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے۔ علامہ نوویؒ رقمطراز ہیں:۔ "لہ فیہ تصنیف مفید"[۲]

امام دارقطنیؒ کو اس فن پر جس قدر عبور حاصل تھا اس کا ذکر ہم امام دارقطنیؒ کے اساتذہ کے ضمن میں کر آئے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ ان کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "انہوں نے اس کتاب میں ہر قسم کی تصحیف کا ذکر کیا ہے" علامہ موصوف نے اس کی چند مثالیں بھی دی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی ان کا ذکر تہذیب التہذیب میں "عثمان بن محمد" کے ترجمہ میں کیا ہے[۳]

۱۰۔ کتاب الاربعین:۔ حاجی خلیفہؒ، اسمٰعیل پاشاؒ اور علامہ الکتانیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے امام عبداللہؒ بن المبارک الحنظلی کی کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اہلِ علم نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔

---

[۱] تدریب الراوی [۲] تقریب [۳] تہذیب ص ۱۵۱ ج ۷

۱۰۔ کتاب الافراد۔ محدثین کی اصطلاح میں افراد و غرائب ان حدیثوں کو کہتے ہیں جو اپنے شیخ کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ ہوں[۱]۔ اس کے علاوہ افراد کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے کہ ایک راوی ہی اسے روایت کرے یا ایک شہر ہی کے راوی ایک روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہوں۔ یا ایک راوی دوسرے راوی سے بیان کرنے میں منفرد ہو۔ اگرچہ کسی اور واسطے سے بھی وہ روایت مروی ہو[۲]۔

حافظ دارقطنیؒ نے اسی موضوع پر ایک سو اجزاء پر مشتمل ایک کتاب لکھی جو "کتاب الافراد" کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ الکتانیؒ اور حاجی خلیفہؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

"کتاب الافراد لا یفهمه فضلا عن ان ینظمه الا من هو من الحفاظ الافراد وائمة النقاد والجهابذة الجیاد"[۳]

علامہ الکتانیؒ نے لکھا ہے۔ کہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہرؒ نے امام دارقطنیؒ کی کتاب الافراد کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا ذکر حافظ مقدسیؒ کے ترجمہ میں یوں کیا ہے:۔

"له اطراف افراد الدارقطنی"[۴]

حافظ الھیثمیؒ نے غیلانیات، خلعیات، فوائد (رازی) اور افراد دارقطنی کو دو جلدوں میں فقہی ابواب پر جمع کیا ہے۔ علامہ الکتانیؒ نے لکھا ہے کہ

---

[۱] بستان المحدثین ص ۷۵ [۲] الرسالہ ص ۹۵ [۳] البدایہ [۴] لسان المیزان ص ۲۱۰ ج ۵

حافظ سخاوی کے خط سے لکھا ہوا وہی مخطوطہ میں نے ایک جلد میں دیکھا ہے[1]

اور کتاب الافراد کا قلمی نسخہ مکتبہ ظاہریہ مصر میں موجود ہے۔

۱۲۔ کتاب غرائب مالک ۔ اس کتاب میں امام دار قطنی نے امام مالک کی ان مرویات کو جمع کیا ہے جو مؤطا میں مذکور نہیں۔ ابن عبدالہادی کہتے ہیں کہ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔

۱۳۔ کتاب من حدث ونسی :۔ محدثین کی اس اصطلاح کی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب کوئی شیخ ایک روایت اپنے شاگردوں کو بیان کرے۔ اور بعد میں وہ خود اسے بھول جائے تو اس کا کیا حکم ہے علماء فن نے لکھا ہے کہ شاگردوں کے یاد دلانے سے اگر وہ انکار کر دے تو روایت بالاتفاق مردود ہوگی ورنہ مقبول۔

امام دار قطنی نے اس رسالہ میں اسی قسم کی روایات کو جمع کیا ہے جس کا ذکر حافظ ابن حجر اور علامہ الکتانی نے کیا ہے[2]

۱۴۔ کتاب المستجاد ۔ حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کشف الظنون ص ۱۲۵۸ ج ۲ میں کیا ہے۔

۱۵۔ کتاب الامالی ۔ اس کا ذکر علامہ سیوطی نے کیا ہے[3]

۱۶۔ کتاب الرقیۃ ۔ حاجی خلیفہ نے "کشف" اور اسماعیل پاشا نے ہدیۃ العارفین میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ کتاب پانچ اجزاء پر مشتمل ہے۔

---

[1] الرسالہ ص ۱۲۴ [2] شرح نخبۃ الفکر ص ۹۲ (کراچی) الرسالہ ص ۷۶

[3] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ص ۸۹ ج ۹ [4] کشف الظنون ص ۱۴۲۱ ج ۲

مۂ شیخ محمد یوسف نے "الخطیب البغدادی ومورخ بغداد و محدثہا"
میں اس کا نام "کتاب رؤیۃ اللہ تعالیٰ" نقل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کتاب علیحدہ
ہو۔ واللہ تعالیٰ۔

۱۷۔ **کتاب المدبّج** ۔ اصطلاحِ محدثین میں روایت "المدبج" اور روایت
"الاقران" میں ایک باریک فرق ہے۔ جس کی وضاحت یہاں ضروری ہے تاکہ
دونوں میں فرق اور اس کی اہمیت کا آسانی سے اندازہ کیا جا سکے۔

چنانچہ دو ہم عصر محدث جب سن اور اسنادمیں قریب قریب ہوں تو
ان کی روایات دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگی۔

(۱) المُدَبَّج (یہ میم کے ضمہ دال کے فتح اور باکی تشدید اور آخر میں جیم کے ساتھ
پڑھا گیا ہے) یہ وہ روایت ہوتی ہے۔ جس میں دو ہمعصر ایک دوسرے
سے روایت کریں۔ اور یہ سلسلہ صحابہ کرام تابعین عظّام اور اسی طرح
تبع تابعین اور آخر سند تک چلا آتا ہے۔ جس کی چند امثلہ امام حاکمؒ نے
"معرفت علوم الحدیث" میں دی ہیں۔ مثلاً عہدِ صحابہ کی مثال بیان کرتے
ہوئے فرماتے ہیں۔

■ حدثنا ابوالعباس محمد بن یعقوب قال حدثنا الحسن بن
علی بن عفان العامری قال ثنا ابواسامۃ قال ثنا عبید اللہ
بن عمر عن محمد بن یحییٰ بن حبان عن عبد الرحمٰن الاعرج
عن ابی ھریرۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قال تفقدت النبی
صلے اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ من الفراش"

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت لی ہے۔

امام دارقطنیؒ نے کتاب المدبج میں اسی قسم کی روایات جمع کی ہیں۔ اس کا ذکر حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ ص ۲۱۲ ج ۳، حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان ص ۶۷ ج ۴ علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص ۴۲۷۔ خطیب بغدادیؒ نے تاریخ ص ۲۳۴ ج ۷ اور علامہ القرطبیؒ نے احکام القرآن ص ۶۲۵ ج ۶ میں کیا ہے۔

حافظ عراقیؒ کے قول کے مطابق اصول حدیث میں فن مدبج کا اضافہ سب سے پہلے امام دارقطنیؒ نے کیا ہے[1] نیز لکھا ہے کہ ان کی یہ کتاب ایک مبسوط جلد پر مشتمل ہے۔

(۲) الاقران ایسی روایت کو کہتے ہیں جس میں دو ہم عصر محدث ایک حدیث کو ایک دوسرے سے روایت کریں۔ لیکن اس میں یہ تصریح نہ ہو کہ اس کے دوسرے ساتھی نے بھی اس سے روایت لی ہے۔

امام حاکمؒ نے اس کی بھی چند مثالیں ذکر کی ہیں۔ علامہ عراقی فرماتے ہیں۔ کہ کبھی کبھار ایک روایت میں متعدد ہم عصر بھی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں مثلاً امام احمدؒ بواسطہ" ابو خیثمہ۔ زہیر بن حرب عن یحییٰ بن معین عن علی بن المدینی عن عبید اللہ بن معاذ عن ابیہ عن سعید عن ابی بکر بن حفص عن ابی سلمۃ" حضرت

---

[1] تدریب الراوی ص ۴۲۶

عائشہؓ سے یہ روایت کرتے ہیں۔

"کن ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأخذن من شعورھن حتی یکون کالوفرۃ" [۱]

سو اس روایت میں پہلے چار حضرات ایک ہی زمانہ کے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے روایت کر رہے ہیں۔

امام دارقطنیؒ نے اس موضوع پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔

(۱۸) کتاب القرأت۔ امام دارقطنیؒ صرف حدیث کے ہی امام نہ تھے بلکہ قرآن کے ساتھ بھی انہیں گہرا لگاؤ تھا۔ ابن خلکانؒ رقمطراز ہیں:۔

"وکان اماما فی علوم القرآن" [۲]

چنانچہ فن قرات پر انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کے ابتدا میں چند ابواب ایسے ذکر کئے ہیں جن میں اصول و قواعد کو بیان کیا ہے۔ اور بعد کے مصنفین نے اس طریقہ میں ان ہی کی پیروی کی ہے۔ علامہ ابن جزریؒ فرماتے ہیں۔

"والف فی القرأت کتابا جلیلا لم یؤلف مثلہ وھو اول من وضع ابواب الاصول قبل الفرش ولم یعرف مقدار ھذا الکتاب الا من وقف علیہ" [۳]

خطیب بغدادیؒ اسی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

---

[۱] والحدیث اخرجہ مسلم ص ۱۴۸ ج ۱ [۲] وفیات الاعیان ص ۲۶۰ ج ۲

[۳] نہایۃ النہایۃ فی طبقات القراء ص ۵۵۹ ج ۱

"منها القرآت فان له فيها كتابا مختصرا موجزا جمع
الاصول في ابواب عقدها اول الكتاب وسمعت بعض من
يعتني بعلوم القرآن يقول لم يسبق ابو الحسن الى طريقته
التي سلكها في عقد الابواب المقدمة في اول القرآت
وصار القراء بعده يسلكون طريقتهم في تصانيفهم" [1]
زرکلی نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اپنی آخری عمر میں بغداد میں لکھی تھی [2]

۱۹۔ کتاب القضاء بالیمین مع الشاہد۔ علامہ الکتانی نے اس کا ذکر الرسالہ ص ۴۲ میں کیا ہے۔

۲۰۔ کتاب الاخوۃ: یہ بھی فن حدیث کا ایک اہم شعبہ ہے۔ چونکہ دو شخصوں کی کی ولدیت میں اشتراک کی بنا پر انہیں حقیقی بھائی سمجھنے یا نہ سمجھنے میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی بنا پر محدثین نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں امام علیؒ بن مدینی، امام مسلمؒ، ابو داؤدؒ، النسائیؒ۔ ابو العباسؒ السراج کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ ابن قطیسؒ نے بھی اس پر ایک کتاب لکھی ہے۔

امام دار قطنیؒ کی اس کتاب کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ ص ۵۹ ج ۸ اور علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی ص ۵۱۲ میں مختصرین کی بحث کے تحت کیا ہے۔

۲۱۔ کتاب الفوائد المنتخبۃ العوالی من الشیوخ الثقات۔ اس کے متعلق علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن یحییٰ نے اطلاع دی ہے [3]

---

[1] تاریخ بغداد ص ۳۴ ج ۱۲ [2] اعلام ص ۱۳۰ ج ۵ [3] فہرست الخزانۃ التیموریہ ص ۲۲۵ ج ۱

۲۲۔ کتاب الرمی والنضال۔ شیخ محمد یوسف نے اس کا ذکر "الخطیب البغدادی ومورخ بغداد ومحدثها" ص ۹۶ میں کیا ہے۔

۲۳۔ مسند ابو حنیفہ۔ ایضاً ص ۹۷

۲۴۔ تسمیۃ من روی عن اولاد العشرۃ۔ ایضاً ص ۱۰۸

۲۵۔ کتاب الاسخیاء۔ رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس میں امام دار قطنیؒ نے ان روایات کو جمع کیا ہے جو سخیوں کی نسبت مروی ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال پارک اسٹریٹ کلکتہ کے اہتمام سے اپریل ۱۹۳۶ء میں طبع ہو چکی ہے[1]۔ محمد یوسف مذکور نے اس کا نام کتاب الاجواد ذکر کیا ہے۔ ایضاً ص ۱۰۴

۲۶۔ سوالات البرقانی۔ ایضاً ص ۹۶

۲۷۔ سوالات حمزہ عن الدارقطنی۔ الاعلان بالتوبیخ ص ۲۳۱

۲۸۔ سوالات الحاکم عن الدارقطنی لسان المیزان ص ۱۹۸ ج ۱۔ التنکیل ص ۱۹۹ ج ۱

۲۹۔ سوالات السلمی۔ لسان ص ۲۴۸۔ ج ۲

شیخ محمد یوسف کی متابعت میں ہی ہم نے ان سوالات کو امام دار قطنیؒ کی تصانیف شمار کیا ہے۔ سوالات السلمی کا قلمی نسخہ استنبول کے مکتبہ میں موجود ہے جس کے ۱۲ ورق ہیں۔ اور بخط ابوبکر بن علی بن اسماعیل الانصاری الشافعی ہے اور سن نسخ ۷۲۸ھ ہے[2]۔

۳۰۔ کتاب الرواۃ عن مالک۔ لسان المیزان ص ۱۳۰۔ ۲۵۴ ج ۴۔ عمدۃ القاری ص ۱۸۔ ج ۲ الاعلان بالتوبیخ ص ۲۳۶

---

[1] مجلہ معارف نمبر ۲ ج ۳۷

[2] مقدمہ طبقات الصوفیہ للسلمی ص ۳۹

۳۱۔ کتاب المجتبیٰ ۔ امام ولی الدین ابو عبداللہ محمدؒ بن عبداللہ الخطیب نے مشکوٰۃ المصابیح کے "باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا" کی آخری حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے رواہ الدار قطنی فی المجتبیٰ۔

ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں اسے امام دارقطنیؒ کی مستقل تصنیف قرار دیا ہے۔ لیکن مولانا عبیداللہ رحمانی دامت برکاتہم نے مرعاۃ المفاتیح میں ص ۴۹۶ ج ۲ میں اسے کتاب السنن ہی کا دوسرا نام بتلایا ہے۔ اور شیخ البانی نے کہا ہے کہ یہی درست ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ البانی ص ۵۳۳۔ ج ۱

۳۲۔ المعرفۃ مذاہب الفقہاء حاجی خلیفہ نے کشف ص ۱۷۳۹ ج ۲ اور اسماعیل پاشا نے ہدایۃ العارفین ص ۶۸۴۔ ج ۱ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۳۔ رجال بخاری ۔ ظفر الامانی ص ۳۸۔

۳۴۔ المعرفۃ بالادب والشعر ۔ خطیب بغدادیؒ نے تاریخ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز امام دارقطنی کے قصائد کا ذکر حافظ ابن کثیر نے النھایہ ص ۱۴ ج ۲ میں کیا ہے۔

۳۵۔ کتاب الموطات ۔ النکت لابن حجر قلمی ص ۲۰۹۔ فتح الباری ص ۲۲۰ ج ۱

۳۶۔ الجہر بسم اللہ ۔ نصب الرایہ ص ۳۳۵۔ ج ۱

۳۷۔ کتاب فضائل الصحابۃ ۔ قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی نے تفسیر مظہری ص ۱۱۶ ج ۲ مطبع دہلی میں اس کا ذکر کیا ہے (بحوالہ البینات اگست ۱۹۶۳ء)

۳۸۔ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ۔ علامہ ابو عبداللہ المقدسی نے الاداب الشرعیہ ص ۱۷۷ ج ۱ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۹۔ کتاب السنّۃ۔ تہذیب التہذیب ص ۱۱۶ ج ۶۔ عمدۃ القاری ص ۸ ج ۱۹

۴۰۔ مسند مالک۔ کشف الظنون

۴۱۔ غریب اللغۃ۔ ہدیۃ العارفین ص ۶۸۴ ج ۱ حضرت نواب صدیق حسنؒ نے البلغۃ فی اصول اللغۃ ص ۱۰۸ اور حاجی خلیفہ نے کشف ص ۱۲۵۸ ج ۱ میں لکھا ہے کہ محمدؒ بن طاہر المقدسی نے اس پر اطراف بھی لکھے ہیں۔ لیکن حافظ مقدسیؒ کے اطراف "الافراد" پر ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ شاید حاجی خلیفہ سے وہم ہوگیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۴۲) الرباعیات۔ اس میں امام دارقطنیؒ نے امام شافعیؒ کی رباعیات کو جمع کیا ہے۔ الرسالہ ص ۷۸۔ کشف الظنون۔

۴۳۔ کتاب الاقران۔ لسان المیزان ص ۴۳۶ ج ۵

۴۴۔ ذیل علی تاریخ البخاری۔ ایضاً ص ۴۳۷ ج ۵، الاعلان بالتوبیخ ص ۲۲۰۔ یہ ذیل صرف محدثین سے خاص ہے۔

۴۵۔ ذیل علی ثقات ابن حبان۔ اس کا ذکر علامہ الکتانیؒ نے کیا ہے

۴۶۔ انتخاب احادیث البربہاری۔ حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں البربہاری کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۴۷۔ کتاب المساجد۔ ہدیۃ العارفین ص ۶۸۴۔ ج ۱

۴۸۔ ذکر التابعین ومن بعدھم ممن صحت روایتہ عند بخاری ومسلم۔

مجلہ بینات جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

۴۹- الاحادیث التی خالف فیہا امام دار الہجرۃ مالک بن انس۔
اس میں امام دار قطنیؒ نے امام مالکؒ کی ان روایات کو جمع کیا ہے جنہیں امام مالکؒ نے مؤطا میں اور الفاظ سے اور اس کے علاوہ روایت کرتے ہوئے دوسرے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن خیر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۵۰- احادیث ابی اسحاق ابراہیم بن محمد بن یحیی المزکی النیساپوری
فہرست ما رواہ عن شیوخہ لابن خیر ص ۱۸۰

۵۱- مقدمہ کتاب الضعفاء والمتروکین من المحدثین۔ ایضاً ص ۲۰۹- نیز کہا ہے کہ یہ ایک جزء میں ہے۔

۵۲- کتاب المدبج - فتح الباری ص ۱۵۶- ج ۴- کتاب الصیام ممکن ہے کہ صحیح کتاب المدبج ہو جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے جس روایت کو نقل کیا ہے وہ بطریق " عبداللہ بن المبارک عن سعید بن عامر الضبعی عن اشعث عن الحسن" ہے۔ عبداللہ بن مبارک اور سعید الضبعی معاصر ہیں۔ البتہ سعید الضبعی کا ابن المبارک سے روایت کرنا محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۳- المستخرج علی الصحیح - حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ ص ۲۷۵ ج ۲ میں اس کا ذکر یوں کیا ہے۔
" وقد احتج بہ عامۃ من خرج الصحیح کالاسماعیلی والدارقطنی"
ممکن ہے کہ یہ الالزامات ہی کا دوسرا نام ہو کیونکہ ان دونوں کا مضمون بظاہر ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۴- الغیلانیات - لسان المیزان ص ۳۶۹ ج ۲ الرسالۃ المستطرفہ ص ۷۸

۵۵۔ شیوخ البخاری ۔ تہذیب التہذیب ص ۸۵ ج ۱ و ص ۳۳۵ ج ۴
۵۶۔ الرواۃ عن الشافعی ۔ ایضاً ص ۹۰ ج ۱
۵۷۔ شیوخ الشافعی ۔ اس کا ذکر امام بیہقیؒ نے "کتاب بیان الخطاء من اخطأ علی الشافعی" میں کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔
۵۸۔ احادیث نزول باری تعالیٰ ۔ حافظ ابن کثیرؒ نے "والمستغفرین بالاسحار" (الآیہ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وقد افرد الحافظ ابوالحسن الدارقطنی فی ذلک جزأً علی حدۃ فرواہ من طرق متعددۃ"۔ [۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے شرح حدیث النزول ص ۱۵ میں بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۵۹۔ احادیث الموطا واتفاق الرواۃ عن مالک واختلافہم فیما زیادۃ و نقصاً ۔ الموطا جو امام مالکؒ کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے متعدد نسخوں کی بنا پر انمیں جو اختلاف تھا امام دارقطنیؒ نے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے متفق علیہ اور مختلف فیہ روایات کی اس میں نشان دہی کی ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: "ذکر ما اسند مالک مما روی عنہ فی الموطا علی اختلاف الرواۃ عنہ فیہ یذکر اختلافہم واتفاقہم وانفراد بعضہم عن بعض بالروایۃ عنہ دون غیرالموطا من حدیثہ"۔ [۲]

امام دارقطنیؒ نے اسے امام مالکؒ کے شیوخ کے اعتبار سے ان روایات کو

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۳ ج ۱ ۔ [۲] احادیث الموطا واتفاق الرواۃ عن مالک الخ ص ۸

ذکر کیا ہے۔ اور اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اس سے امام مالکؒ نے مؤطا میں کتنی اور کہاں کہاں روایات لی ہیں۔ امام دارقطنیؒ کی یہ کتاب شیخ محمد زاہد کوثریؒ کی کوشش سے مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

۶۰ حاشیۃ سنن الدارقطنی للدارقطنی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حاشیہ کا ذکر لسان المیزان اور تہذیب التہذیب میں متعدد مقامات پر کیا ہے۔ تلخیص الحبیر ص ۵۶ میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔

۶۱۔ شیوخ مسلم۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ص ۱۰۰ ج ۹ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ ہیں امام دارقطنیؒ کی وہ گراں قدر تصانیف جن کا علم سردست ہمیں تتبع و تلاش سے ہوا۔ نامعلوم ان کے علاوہ کس کس موضوع پر کتنی اور کس قدر کتابیں تالیف کی ہونگی۔ علامہ عراقیؒ ان کی تصنیفات کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "ولہ مصنفات یطول ذکرھا" اور اسی پر ہم اس داستان کو ختم کرتے ہیں۔

وفات۔ مشہور روایت کے مطابق آپ ذی القعدہ ۳۸۵ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے[1]۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

---

[1] حضرت النوابؒ نے اتحاف النبلاء میں ان کی وفات ۳۳۵ھ ذکر کی ہے۔ جس پر صاحب ابراز الغی نے تعاقب کیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ حضرت النوابؒ نے یہ سن صاحب کشف سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا ان پر اس قسم کے تعاقب بے جا ہیں۔ مزید یہ کہ صاحب ابرازؒ نے اقرار بھی کیا ہے کہ "ان الناقل من حیث انہ ناقل لا یرد علیہ شئی۔ ابراز الغی ص ۱۲ تفصیل کے لئے دیکھئے "تبصرۃ الناقد" ص ۸۳۔

نماز جنازہ شیخ ابو حامد الاسفرائنی نے پڑھائی۔ اور باب الدیر میں معروف کرخیؒ کی قبر کے نزدیک سپرد خاک کر دیئے گئے۔ اللھم نور ضریحہ

امیر ابن ماکولاؒ کا بیان ہے کہ میں نے رمضان المبارک میں ایک خواب دیکھا کہ میں کسی سے امام دار قطنیؒ کے متعلق سوال کر رہا ہوں۔ کہ آخرت میں ان کے ساتھ کیا گزری۔ تو اس نے جواب دیا کہ انہیں جنت میں امام کے لقب سے بلایا جاتا ہے۔ ھذا آخر ما اردت تسویدہ فی ھذہ المقالۃ الوجیزۃ

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ہ

اٰمین

یارَبَّ العالمین

ارشاد الحق عفا اللہ عنہ
عن والدیہ واساتذتہ
واخوانہ اجمعین

۱۸ / جمادی الآخر ۱۳۹۱ھ

مصادر وماخذ

۱۔ ابراز الغی
۲۔ اتحاف النبلاء
۳۔ احادیث الموطا و اتفاق الرواۃ عن مالک
۴۔ احسن الکلام
۵۔ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ
۶۔ الاعلام
۷۔ اعلان بالتوبیخ
۸۔ الاداب الشرعیہ
۹۔ الاکمال فی اسماء الرجال
۱۰۔ ایضاح المکنون
۱۱۔ الانساب سمعانی
۱۲۔ البدر الطالع
۱۳۔ البدایہ
۱۴۔ الباعث الحثیث
۱۵۔ المزہر فی اصول اللغۃ
۱۶۔ بستان المحدثین
۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ
۱۸۔ تدریب الراوی
۱۹۔ تاریخ بغداد
۲۰۔ تہذیب التہذیب
۲۱۔ تقریب التہذیب
۲۲۔ تقریب للنووی
۲۳۔ التعلیق المغنی
۲۴۔ تلخیص الحبیر
۲۵۔ التذنیب
۲۶۔ التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل
۲۷۔ التبیین لاسماء المدلسین
۲۸۔ تاج المکلل
۲۹۔ تفسیر احکام القرآن (القرطبی)

۳۰۔ تصحیح النظر شرح شرح النخبة الفکر

۳۱۔ تفسیر ابن کثیر

۳۲۔ تبصرة الناقد

۳۳۔ تفسیر مظہری

۳۴۔ تلخیص المستدرک

۳۵۔ تاریخ ادب العرب

۳۶۔ تقویم تاریخی

۳۷۔ توجیہ النظر

۳۸۔ التاریخ الکبیر

۳۹۔ الجامع الصحیح للبخاری

۴۰۔ الجامع الصحیح لمسلم

۴۱۔ الجامع الصغیر

۴۲۔ الخلاصة تذہیب الکمال

۴۳۔ الرسالة المستطرفہ

۴۴۔ رجال کشی

۴۵۔ الرفع والتکمیل

۴۶۔ الرد علی المبکری

۴۷۔ دائرة المعارف الاسلامیہ

۴۸۔ ذیل لحظ الالحاظ

۴۹۔ سنن دارقطنی

۵۰۔ سنن ابوداؤد

۵۱۔ شرح مشکوٰة لالبانی

۵۲۔ شرح حدیث نزول

۵۳۔ شرح نخبة الفکر

۵۴۔ شذرات الذہب

۵۵۔ صارم المنکی

۵۶۔ طبقات الشافعیہ

۵۷۔ طبقات المدلسین

۵۸۔ ظفر الامانی

۵۹۔ عمدة القاری

۶۰۔ العبر فی خبر من غبر

۶۱۔ عجالہ نافعہ

۶۲۔ علوم الحدیث

۶۳۔ غایة النہایة فی طبقات القراء

۶۴۔ فیض القدیر للمناوی

۶۵۔ فتح الباری

۶۶۔ فہرست الخزانۃ التیموریۃ
۶۷۔ فتح المغیث للسخاوی
۶۸۔ فتح المغیث للعراقی
۶۹۔ الفہرس لابن خیر
۷۰۔ فہرست دار الکتب المصریۃ
۷۱۔ الفوز الکرام (قلمی)
۷۲۔ فیض الباری
۷۳۔ الفوائد البہیۃ
۷۴۔ فتویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ
۷۵ قواعد التحدیث
۷۶۔ کشف الظنون
۷۷۔ کتاب الالزامات (قلمی)
۷۸۔ کتاب التتبع (قلمی)
۷۹ الکفایہ
۸۰۔ کتاب العلل للدارقطنی (قلمی)
۸۱۔ کتاب الکنیٰ للدولابی
۸۲۔ کتاب بیان الخطأ من اخطأ علی الشافعی
۸۳۔ کتاب الموضوعات
۸۴۔ کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی
۸۵۔ لسان المیزان
۸۶۔ اللآلی المصنوعہ
۸۷۔ لحظ الالحاظ
۸۸۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی
۸۹۔ المستدرک
۹۰۔ مجلہ برہان
۹۱۔ مقدمہ فتح الباری
۹۲۔ مقدمہ التعلیق الممجد
۹۳۔ مقدمہ التعلیق المغنی
۹۴۔ مقدمہ فیض الباری
۹۵۔ مقدمۃ ابن الصلاح
۹۶۔ مسک الختام
۹۷۔ معرفۃ علوم الحدیث
۹۸۔ میزان الاعتدال
۹۹۔ من تکلم فیہ وھو موثوق (قلمی)

۱۰۰۔ مجلہ معارف ج ۳۶
۱۰۱۔ مقالات سید سلیمان ندوی
۱۰۲۔ مفتاح السنۃ
۱۰۳۔ مقدمہ مشتبہ النسبۃ
۱۰۴۔ مقدمہ الاکمال لابن ماکولا
۱۰۵۔ مقدمہ طبقات الصوفیہ (للسلمی)
۱۰۶۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
۱۰۷۔ مرعاۃ المفاتیح
۱۰۸۔ مشکوٰۃ المصابیح
۱۰۹۔ مجلہ بینات ۱۳۸۸ھ
۱۱۰۔ مؤطا امام مالک
۱۱۱۔ معجم البلدان
۱۱۲۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم
۱۱۳۔ مفتاح السعادۃ
۱۱۴۔ منہاج السنۃ النبویۃ
۱۱۵۔ مشتبہ النسبۃ
۱۱۶۔ موارد الظمآن
۱۱۷۔ مقدمہ کتاب العلل لابن ابی حاتم
۱۱۸۔ نصب الرایہ
۱۱۹۔ نیل الاوطار
۱۲۰۔ النکت لابن حجر (قلمی)
۱۲۱۔ النہایہ ابن کثیر
۱۲۲۔ وفیات الاعیان
۱۲۳۔ ہدیۃ العارفین
۱۲۴۔ سنن ترمذی
۱۲۵۔ صحیح ابن حبان (قلمی)
۱۲۶۔ تنزیہ الشریعۃ

ادارہ کی دیگر مطبوعات

۱۔ صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین

یہ ادارہ علوم اثریہ کی پہلی پیش کش ہے جو کہ زیر تربیت علماء کے ائمہ ستہ اور ان کی مؤلفات پر لکھے ہوئے مقالات کا مجموعہ ہے اس میں اختصار کے ساتھ ائمہ کرام کے حالات و سوانح، ان کی مؤلفات کے مقام و مرتبہ' اہمیت و عظمت' شرائط و تقابل، خصوصیات اور عدد مرویات کے متعلق فنی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے نیز ائمہ کرامؒ کے فقہی مسلک پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب اہل علم خصوصاً مدارس عربیہ کے حضرات اساتذہ کرام اور طلبہ کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

۲- کتابتِ حدیث تا عہدِ تابعین

مرتبہ: محمد خالد سیف

یہ کتاب مستشرقین اور منکرینِ حدیث کے کتابتِ حدیث کے سلسلہ میں اعتراض کا بے شمار اہمات کتب سے لاتعداد اور ناقابل تردید دلائل کے ذریعہ مسکت جواب ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ کتابتِ حدیث کی داغ بیل عہدِ رسالت میں ہی پڑ چکی تھی۔ عہدِ صحابہ میں یہ تحریک پروان چڑھی اور عہدِ تابعین میں پورے عروج پر پہنچ گئی۔

یہ کتاب اہلِ علم کے لئے بیش بہا تحفہ، متلاشیانِ حق کے لئے اہم دستاویز اور مستشرقین و منکرینِ حدیث کے لئے ایٹم بم ہے

○

۳۔ الناسخ والمنسوخ

مرتبہ :۔ عبدالرحمان حنیف

فن تفسیر و حدیث میں اس مسئلہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل علم حضرات سے مخفی نہیں۔ اس کتاب میں اسی مسئلہ کے مختلف پہلوؤں مثلاً نسخ کے معنوی اور اصطلاحی معنی، نسخ کی تعریف اور اس میں اختلاف، نسخ کے بارے میں مختلف نظریات، شریعت اسلامیہ میں نسخ اور اس کی حکمت، نسخ اور بدا میں فرق، نسخ کی صورتیں اور بحث نسخ پر تالیفات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۴۔ حدیث موضوع اور اس کے مراجع

مرتبہ : محمد اکرم رحمانی

امت مسلمہ کو جن فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ان میں سے ایک وضع حدیث کا فتنہ بھی تھا جسے ہم مضر اثرات کے لحاظ سے دین میں سب سے بڑا فتنہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس کتاب میں وضع حدیث کی ابتداء، اسباب، وضع حدیث، فتنہ وضع حدیث اور سلف صالح، موضوع روایات کے مراجع، موضوع حدیث اور اس کی علامات اور حدیث موضوعہ پر مشتمل کتب وغیرہ مختلف مباحث پر تفصیل سے روشنی

ادارہ علوم اثریہ لائل پور

اس ادارے میں تخصص فی الحدیث کے سلسلہ میں جید علماء پر مشتمل محاضرات اور علوم حدیث کے بارہ میں علمی و تحقیقی ماحول کا پورا پورا اہتمام ہے۔

طلباء کو ادارہ کی طرف سے معقول وظیفہ بھی دیا جاتا ہے تاکہ پوری یکسوئی کے ساتھ یہ اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو ریاض نبوت کی خوشہ چینی میں صرف کر سکیں۔

علوم حدیث میں تخصص اور تبحر کے علاوہ ان کو تفصیل سے ان فتنوں سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ جن کو دور حاضرہ کی مادیت پرستانہ تہذیب نے جنم دیا ہے

محمد اسحاق چیمہ ناظم ادارہ علوم اثریہ
لائل پور

ارشاد الحق

ادارہ علوم اثریہ ○ لائل پور